لکھنؤ تعمیرِ حیات پندرہ روزہ

مُکمّل اعتماد

مقصد خواہ کتنا ہی رفیع ہو، عقیدہ خواہ کتنا ہی مضبوط ہو، جذبہ چاہے جتنا بھی طاقتور ہو، اگر اس کے راستہ پر (جو اس مقصد کے حصول کے لئے ہم نے اختیار کیا ہے) ہم کو پورا بھروسہ نہیں، ہم پورے اعتماد و یقین کے ساتھ اسکی دعوت نہیں دے رہے ہیں، ہمارے لہجہ میں وہ بے خوفی یا وہ استحکام نہیں ہے جو کسی مشاہدہ یا مشاہدہ کے درجہ والے یقین یا اپنے مسلسل تجربہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے تو ہماری یہ دعوت کبھی زیادہ وسعت اختیار نہیں کر سکتی۔

لیکن طریقۂ کار، مسلک اور طرزِ فکر پر یہ یقین تعصب کے ہر شائبہ، انتہا پسندی مبالغہ آرائی یا سخت گیری کے ہر اثر سے پاک ہونا چاہیئے، اس کا رُخ تعمیری ہونا چاہیئے، نہ کہ تخریبی، مثبت نہ کہ منفی، مصالحانہ نہ کہ جارحانہ۔ اجتماعیت کی روح کے ساتھ نہ کہ انفرادیت پسندی یا خود پسندی کے جذبہ کے ساتھ۔

اگر چلنے والوں کو اپنے راستہ کی سمت اور صحت کا یقین نہیں ہے تو اس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ان لوگوں کے نعروں اور ان تحریکوں اور دعوتوں کا شکار آسانی کے ساتھ ہو جائیں گے جو اپنی راہ و منزل پر نسبتاً زیادہ یقین رکھتی ہیں۔

(مولانا محمد الحسنی ندوی مرحوم)

اس شمارے میں

۱۔ دار العلوم دیوبند
۲۔ وقت کا ایک اہم تقاضا
۳۔ فیصل ایوارڈ کی تقسیم
۴۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی کا پیغام
۵۔ ایران میں ایک ہفتہ
۶۔ فلسطین ایک قصۂ پارینہ
۷۔ مجاہدین کی کارروائیوں سے روسی افواج میں بے چینی
۸۔ عوام علماء سے دور کیوں؟
۹۔ بخارا سے کابل تک اشتراکی یلغار
۱۰۔ نئی صدی ہجری کا پیغام امت مسلمہ کے نام

Regd No. LW/NP 56

Phone: 42948, 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

SAFARI

تعمیرِ حیات کی اشاعتِ خاص

- مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ
- مولانا سید محمد الحسنیؒ
- مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

کے حالات، واقعات، علمی و ادبی خدمات، خصوصیات و کمالات اور کارناموں کی تفصیل۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، قیمت: 25/-

اعلان بسلسلۂ خاص نمبر

ضخیم اور وقیع نمبر عام ڈاک سے بھیجنے میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لئے بصول منی آرڈروں پر اخراجات ڈاک کی وی۔ پی بھیجی جارہی ہے۔ براہ کرم خریداران حضرات منی آرڈر رجسٹری فیس کے ساتھ مبلغ ۔/۱۶ ارسال کریں۔

پرنٹر، پبلشر، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

مرتبہ: شمس الحق ندوی، محمود الازہار ندوی

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

اشتراک ادارہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۷ | ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء ——— ۲۲ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ نمبر ۹

نرخ تعاون

اندرون ملک ——— ۱۲ روپے

فی پرچہ ——— ۵۰ پیسے

بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ جملہ ممالک ۲ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ۲ پونڈ

افریقی ممالک ۷ پونڈ

یورپ و امریکہ ۹ پونڈ

وقت کا ایک اہم تقاضا

انیسویں صدی عالم اسلام کے زوال وانحطاط کی صدی تھی، پورا عالم اسلام یکے بعد دیگرے استعمار پسند طاقتوں کے قبضہ واقتدار میں آتا چلا گیا، بیسویں صدی پوری دنیا کے لئے حریت وآزادی کی صدی تھی چھوٹے سے چھوٹا ملک بھی اس صدی میں آزاد ہوا اور اس کی وجہ سے ہم بہت سے اسلامی ملکوں کو بھی آزاد دیکھ رہے ہیں، مسلم ملکوں کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ وہاں سیاسی قیادت جن ہاتھوں میں ہے وہ مسلم عوام کے جذبات واحساسات کی نمائندگی نہیں کرتے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ تمام مسلم ممالک اندرونی طور پر اضطراب وکشمکش میں مبتلا ہیں، اور انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک کم وبیش ہر ملک میں اسی صورت حال کا برابر مشاہدہ کر رہے ہیں، مسلم ملکوں میں آئے دن اضطراب وکشمکش کی جو لہریں اٹھتی رہتی ہیں اس کا راز صرف یہ ہے کہ اقتدار پر قابض اشخاص وجماعتیں مسلم عوام کے دینی احساسات وجذبات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ برسر اقتدار طبقہ نے جو تعلیم حاصل کی ہے اور جو افکار وخیالات ان کے ذہنوں میں قائم ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کا جو حل ان کے ذہن میں ہے وہ مستعار ہے انہوں نے مغرب میں مختلف قسم کی جمہوریتوں اور نظامہائے حکومت کو دیکھا اور سمجھا اور اسی کو مسلم ممالک میں برسر اقتدار آنے کے بعد نافذ کرنا چاہتے ہیں اس کی پرواہ کئے بغیر کہ مسلم عوام کی نفسیات اور ان کے تہذیبی وثقافتی افکار سے اس کا کوئی ربط ہے یا نہیں۔

لیکن اب حالات بہت بدل چکے ہیں، عالمی معیار کے مسلم مفکرین اور داعیوں کی تحریروں نے تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں میں اسلامی اقتدار کے احیاء اور اس کی اشاعت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے، برسر اقتدار طبقہ کے خلاف اب ان کی آواز بہت تیز ہو گئی ہے اور وہ اب اس بات کے لئے بہت بے چین ہیں کہ اسلامی نظریات کا احیاء ہو، دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرق سے غرب تک اسلامی نشأۃ ثانیہ کا احساس اس کی دعوت اور عملی طور پر اس کو وجود میں لانے کا تقاضا بہت شدید ہو چکا ہے اب مسلم سربراہوں کے لئے یہ ممکن نہیں رہ گیا ہے کہ وہ اس آواز کو دبا دیں یا اپنی کسی سیاسی حکمت عملی سے اس کو کمزور کر دیں۔ ایران اور پاکستان میں نظام اسلامی کے قیام کا اعلان درحقیقت اسی مطالبہ کا جواب ہے۔

آپ مسلمانوں کے کسی بین الاقوامی اجتماع میں شرکت کریں اور مختلف ممالک کے نمائندوں سے اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کریں تو آپ صاف طور سے محسوس کریں گے کہ پوری دنیا کے مسلم عوام اور نوجوان تعلیم یافتہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظام حکومت کے احیاء کا عزم کئے ہوئے ہے، اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لئے جد وجہد کا عمل بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ صورت حال انتہائی خوش کن اور مسرت انگیز ہے۔ نظام اسلامی کے احیاء کی اس کوشش سے کسی سچے مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن جو چیز ہمیں سب سے زیادہ فکر میں ڈالتی ہے اور اس راہ میں عالم اسلام کا جو سب سے کمزور پہلو ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے علمی اور عملی طور پر اس آنے والے انقلاب کی کوئی تیاری نہیں کی ہے، بد قسمتی سے پورے **عالم اسلامی میں جو طبقہ انقلاب اسلامی کا داعی اور پرجوش مبلغ ہے اور جس کی اس راہ میں کوششیں قابل تعریف ہیں، اس کا سرمایۂ علم براہ راست کتاب و سنت سے حاصل کردہ نہیں ہے۔**

اسلام کے مبادی اور احکام شرعیہ کا اصل ماخذ کتاب وسنت ہے، جب تک اس کا صحیح علم حاصل نہ کیا جائے گا اس وقت تک بنیادی طور پر ہم اسلامی نظام حکومت اور اسلامی شریعت کو عملی طور پر نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتے۔ جب ہم اسلامی اقدار اور اسلامی نظام کے اجراء کی بات کرتے ہیں تو لازمی طور پر کتاب وسنت کی اساس پر مبنی ہم ایک معاشرہ کی تشکیل چاہتے ہیں اور فرد کی شخصی ..... اور اجتماعی زندگی میں کتاب وسنت کے احکام کو عملی طور پر دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب معاشرہ میں ایک ایسی طاقتور جماعت ہو جس کی کتاب و سنت پر نظر بہت وسیع اور عمیق ہو اور ساتھ ساتھ زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ان احکامات کی تنفیذ کی بھی صلاحیت رکھتی ہو۔

اسلامیات پر اس بیسویں صدی میں مختلف زبانوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت سے مفکرین ومبصرین کی تحریریں بہت طاقتور اور جاندار بھی ہیں اور بہت سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن کو اسلامی عقائد وافکار سے ان تحریروں نے بہت قریب بھی کیا ہے اور ایسے مفکرین کی تحریروں اور تصنیفات کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن اسلامی عقائد وافکار کی تعبیر وتشریح میں ان تصنیفات کی حیثیت اصل ماخذ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی ہے اور نہ تو محض ان کتابوں کے ذریعہ اسلامی شریعت کے وجود میں لانے کی کوشش بار آور ہو سکتی ہے۔

اصل ماخذ جو کتاب وسنت اور جو اسلامی معاشرہ کے قیام کے اساس وبنیاد ہیں ان کی براہ راست تعلیم اور عمیق اور وسیع تعلیم اور ان کا ہمہ جہتی مطالعہ اس راہ کی

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ ۱۹/۰۵ Rs کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

دار العلوم دیوبند
قیام کا اصل مقصد اور روح

اگست سنہ ۱۹۷۹ء کے دوسرے ہفتہ میں جب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تو طلبہ کے اصرار پر خطاب فرمایا۔ اس تقریر میں مولانا مدظلہ نے ادارہ کی اصل روح اور مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے طلباء دار العلوم کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ اب جب دار العلوم کے اجلاس صد سالہ کی تاریخیں قریب آ چکی ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اس تقریر کا خلاصہ پیش کر دیا جائے جس سے دار العلوم کی اہمیت وضرورت آ جائے۔

(ادارہ)

عزیزان گرامی! آپ کی درس گاہ کی بنیاد حمیت اسلامی پر پڑی، آپ کی درسگاہ کی بنیاد زمانہ کے چیلنج کے قبول کر لینے پر پڑی، اب زمانہ کے نئے چیلنج کو آپ نظر انداز نہیں کر سکتے، کہ سے دار العلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کے لئے اس چیلنج کو نظر انداز کرنے کا کوئی جواز نہیں، اس لئے کہ ان کی بنیاد ہی زمانہ کے چیلنج کو قبول کرنے پر پڑی تھی، مغربی تہذیب اور معاشرت اور انگریزی تعلیم جس کے ساتھ کسی قسم کی مذہبی رہنمائی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں تھا، اس زمانہ کا فتنہ تھا۔

لیکن فتنے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، اور ایک ہی فتنہ ہمیشہ نہیں ہوتا، نئے نئے فتنے سر اٹھاتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے نئے نئے خطرے سامنے آتے ہیں، جاہلیت نئے نئے روپ میں سامنے آتی ہے اور بڑے دم خم کے ساتھ میدان میں اترتی ہے، اقبال نے غلط نہیں کہا تھا ؎

اگرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات ومنات

بڑی خطرناک بات ہے کہ لات ومنات یعنی باطل طاقتیں اور جاہلیت قدیم تو زندگی اور جوش وخروش سے بھرپور ہوں اور مومن میں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وارث اور نائب ہے، کہنگی اور فرسودگی، پستی اور افسردگی، کنارہ کشی اور پسپائی کی ذہنیت پیدا ہو جائے، لات ومنات نئے دم خم کے ساتھ، نئی امنگوں اور ولولوں کے ساتھ، نئی تیاریوں اور نئے طریقوں کے ساتھ، نئے نعروں اور نئی للکاروں کے ساتھ میدان میں آ[illegible] میں [illegible] مومن پر موت کی چند طاری ہو جائے [illegible] افسردگی اور اضمحلال پیدا ہو جائے، وہ زندگی کے میدان سے فرار اختیار کر کے یا کنارہ کش ہو کر کسی گوشۂ عافیت کو تلاش کر لے، جہاں وہ اپنی زندگی کے دن گذار سکے اور لات ومنات خم ٹھونک کر میدان میں کھڑے ہوں، اور دعوت مبارزت دے رہے ہوں۔

عہد جدید کا فتنۂ کبریٰ

حضرات! اس زمانہ کا فتنہ اور چیلنج کیا ہے؟ اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اسکی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان وادب اور رسم الخط اور اس کے پورے ورثہ سے الگ کر دیا جائے اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم وتقریبات کا (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) مثلاً شادی اور غمی میں کیا ہونا چاہئے، مرنے کو کس طرح آخری مرحلہ سے گذارا جائے وغیرہ وغیرہ، بس اسلام انہیں مذہبی ومعاشرتی رسوم (RITES) کا مجموعہ بن کر رہ جائے، میں نہیں جانتا کہ کل کیا ہو لیکن پھر بھی اندازہ ہے کہ شاید ابھی یہ مرحلہ دور ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، آپ کو کوئی خاص عقیدہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں، آپ روزہ نہیں رکھ سکتے، آپ زکوٰۃ نہیں دے سکتے، لیکن وہ مرحلہ ضرور آ گیا ہے کہ مسلمانوں سے اشارے اور کنایہ سے، اور کبھی کبھی صاف کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی رضا ورغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کر لیں جو ان میں ایک الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے، وہ خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں ہیں، وہ خود اپنے عائلی قانون (پرسنل لا) میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کریں اور اپنے لئے وہی یکساں قانون پسند کریں جو سارے ملک کے لئے نافذ ہو، وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند وضرورت کے مطابق قائم کئے تھے، حکومت کی تحویل اور انتظام میں دے دیں۔ اور ان کے نظم ونسق سے خود دست بردار ہو جائیں تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے ماڈل تیار کئے جائیں، جو اس سیکولر، وطنیت پسند ملک سے ہم آہنگ ہو، حکومت اسلام کی مخالف نہیں اور اس کو اسلام کے ختم کرنے کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کو تو اس پر فخر ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی مسلم برادری یہاں آباد ہے، اس کو آباد رہنا اور پھلنا پھولنا چاہئے۔ اس سے بڑے بڑے کام لئے جا سکتے ہیں اور بین الاقوامی اور سیاسی موقعوں پر اس کو ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، آج صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو ان کو قومی دھارے میں بہنا چاہئے اور قومی دھارے کے معنی یہ ہیں کہ آپ تمام تشخصات سے دست بردار ہو جائیں آج کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان رہو، تمہیں کوئی نہیں ٹوکتا، یہ فرقہ وارانہ فسادات تو ایک مریض کی ہذیانی کیفیت اور ہسٹریا کا ایک دورہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہے گا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ بہت کم ہو گئے ہیں اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اور بھی کم ہو جائیں گے، میرے نزدیک یہ اصل خطرہ نہیں، اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں، معنوی ارتداد کا ہے، ذہنی وتہذیبی ارتداد، اس خطرہ کو دیکھنے اور اسکو محسوس کرنے کے لئے کسی بڑی فراست اور دوربینی کی ضرورت نہیں، یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کو آنکھیں دی ہیں وہ صاف دیکھ رہے ہیں کہ آج علی گڑھ کا معاملہ ہے، کل دار العلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کی باری آ سکتی ہے، وقت اور حالات کا مسئلہ ہے اور اس کا انحصار اس پر ہے کہ ہم علی گڑھ کے مسئلہ پر کتنی زندگی اور بیداری اور کتنی غیرت اور خودداری کا ثبوت دیتے ہیں۔

دینی بدعات اور منکرات سے نبرد آزما ہونیوالوں کے اخلاف کی ذمہ داری۔

عزیز طلبہ! آپ کے اسلاف وہ تھے جنھوں نے بدعات کے ساتھ ادنی مصالحت گوارہ نہیں کی، آپ کے اسلاف نے آج تک مولود کے قیام کی اجازت نہیں دی، کتنے رسوم اور طریقے ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے ہیں، اور انہوں نے مذہبی فرائض اور دینی شعائر کی حیثیت اختیار کر لی ہے، لیکن آپ کا جس مکتب خیال اور مسلک سے تعلق ہے اس کے علماء نے ان کی ہمیشہ مخالفت کی اور ان کو بدعت اور بے اصل بتایا، اس کی ان کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، ان کا مقاطعہ کیا گیا ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر وضلالت کے فتوے لگائے گئے وہ بہت سے دنیوی مفادات، اور لذتوں سے محروم رہے، لیکن انہوں نے ان چیزوں کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی اور کسی مداہنت اور مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا، میرا خود اسی کیمپ سے تعلق ہے جو شرک وبدعات کے مقابلہ میں سر بکف رہا ہے، بلکہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے جو اس سلسلہ میں بہت آگے رہا ہے اور جو شرک وبدعت کے معاملہ میں زیادہ ذکی الحس واقع ہوا ہے، میرا نسبی وروحانی اور ذہنی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ سے ہے جنھوں نے اس ملک میں احیاء توحید اور سنت کی دعوت کا علم بلند کیا اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دی، اگر میری جرأت معاف کی جائے تو میں کہوں کہ آپ کے کیمپ میں بھی یہ خیال اور یہ دعوت وحمیت اسی کیمپ سے آئی ہے اس لئے مجھے یہ پوری تاریخ عزیز ہے، میں اس پورے ورثہ کو سینہ سے، بلکہ آنکھوں سے لگاتا ہوں، نہ اس پر شرمسار ہوں اور نہ اس سے دست بردار، میری تمام تحریریں، میری حقیر کاوشیں اور کوششیں سب اسی ورثہ کی حفاظت اس کی تبلیغ واشاعت اور اس کی بازیافت میں صرف ہوئی ہیں ؎

میں کہ میری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

میرے کوتاہ قلم نے "دعوت وعزیمت" کی داستان تفصیل سے بیان کی ہے اور اس

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

فیصل ایوارڈ کی تقسیم

سعودی دارالحکومت ریاض میں ایک شاندار تقریب کا آنکھوں دیکھا حال

۱۲ر فروری کو سعودی دارالحکومت ریاض کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے شاندار فیصل ہال میں فیصل ایوارڈ کی تقسیم کا جشن انتہائی شاہانہ تزک و احتشام سے منایا گیا۔

اس خوشنما اور وسیع ہال میں جہاں شاہ فیصل شہید کے فرزندوں میں عالمی فیصل ایوارڈ کمیٹی کے صدر شہزادہ خالد الفیصل اور سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل موجود تھے وہیں شاہ خالد بن عبدالعزیز کے ذاتی نمائندہ کی حیثیت سے شہزادہ فہد بن عبدالعزیز اس عظیم الشان تقریب کی صدارت کر رہے تھے۔ شہزادوں میں سلطان بن عبدالعزیز وزیر دفاع و شہری ہوابازی اور ریاض کے گورنر شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز مہمان خصوصی تھے۔ ان کے علاوہ حکومت کے سربرآوردہ حضرات اور علمی و ادبی حلقوں کے ممتاز اور چیدہ نمائندے موجود تھے۔

ذیل میں ہم مولانا سید محمد اجتبار ندوی ریڈر ریاض یونیورسٹی کا وہ خط اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے تقریب میں شرکت کے بعد اپنے برادر مکرم مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ دارالعلوم کو لکھا ہے۔

ریاض۔ سعودی عرب
۱۳ر فروری سنہ ۱۹۸۰ء
برادر معظم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ...

... کل شام کو آٹھ بجے شاہ فیصل ایوارڈ کی تقسیم کا شاندار جشن منایا گیا۔ ریاض کے انٹرکونٹینینٹل ہوٹل کے فیصل ہال میں یہ تقریب منعقد ہوئی، میں، سعید انس اور نظام الدین سلیم بھی شریک تھے، بہت شاندار، خوشنما اور بارونق ہال ہے، چونکہ ایوارڈ تقسیم کرنے کے لئے ولی عہد شاہزادہ فہد بن عبدالعزیز تشریف لانے والے تھے اس لئے پہرہ اور حفاظت کا مناسب و معقول انتظام تھا لوگ بڑے سلیقہ اور خاموشی سے ہال میں داخل ہو کر اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے، چہرے مسرت و اشتیاق اور خوشی سے چمک رہے تھے ہال ہی میں ایک جانب عشاء کی نماز باجماعت ہوئی۔ جماعت کے چند منٹ بعد ٹھیک آٹھ بجے ولی عہد امیر فہد بن عبدالعزیز ہال میں داخل ہوئے ان کے ہمراہ امیر خالد بن فیصل صدر عالمی فیصل ایوارڈ کار پوریشن امیر سلطان بن عبدالعزیز وزیر دفاع، امیر سلمان بن عبدالعزیز گورنر ریاض تھے اسٹیج پر پہونچ کر امیر فہد نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے سلام کیا، ہال وعلیکم السلام سے گونج اٹھا۔ امیر کی اجازت سے سعودی ریڈیو کے ایک ممتاز اناؤنسر نے جلسہ کی کارروائی کی تلاوت کلام پاک سے آغاز کا اعلان کیا، تلاوت کے بعد ڈاکٹر احمد حبیب جنرل سکریٹری موسسہ جائزۃ فیصل العالمیۃ نے مائک سنبھال لیا اور بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج ہمیں دوسرے سال ایوارڈ تقسیم کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور پچھلے سال کی طرح امسال بھی عالم اسلام کے ممتاز علماء اور مفکرین کی خدمت میں ان کی خدمات، فکر اور تحقیق کے صلہ میں یہ ایوارڈ سمو الامیر فہد عنایت کریں گے۔ میں پہلے صدر موسسہ جناب امیر خالد الفیصل کو دعوت کلام دیتا ہوں۔ امیر خالد نے بڑی شگفتہ اور شستہ زبان میں ایوارڈ اور اس کے مقاصد پر بھرپور روشنی ڈالی اور ایوارڈ حاصل کرنے والوں کو مبارکباد پیش کی۔ ان کے بعد صدر جلسہ ولی عہد امیر فہد بن عبدالعزیز نے مختصر سا مقالہ پڑھا۔ جس میں اسلام کی علم و فکر کے میدان میں خدمات کا تذکرہ کیا۔ سلف صالحین اور علماء امت کے فکر انگیز اور مخلصانہ کاموں کو سراہا اور موسسہ جائزۃ الفیصل کو مبارکباد دی۔ اور توقع کا اظہار کیا کہ نہ صرف اس کا دائرہ عمل وسیع ہوگا، بلکہ عالم اسلام میں اس طرح کے مزید ادارے قائم ہوں گے اور وہ علماء و مفکرین و محققین کی ہمت افزائی اور ان کی خدمات کے احترام و اعتراف کے طور پر ایوارڈ عطا کریں گے،

ولی عہد امیر فہد بن عبدالعزیز کے بعد ڈاکٹر احمد حبیب نے اس موسسہ کی تعریف مقاصد و مستقبل کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ ایوارڈ جو خدمت اسلام، اسلامی تحقیق اور ادب عربی کے لئے فی الحال مقرر ہوا ہے اس کے لئے مختلف علمی ادارے اور یونیورسٹیاں نام پیش کرتی ہیں۔ پھر ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے جو ان کے کاموں اور تصنیفات کا جائزہ لیتی ہے جو امتیازی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں، ان کے نام سکریٹریٹ کو بھیجدیتی ہے دوبارہ پھر ایک میٹنگ کر کے اعلان کیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، جانبداری سے احتراز کیا جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد پانچوں ایوارڈ یافتہ حضرات کے سوانحی خاکے پیش کر کے سب سے پہلے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مولانا کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ان کی خدمات اور گرانمایہ تصنیفات سے کون ناواقف ہے اس کا اظہار افسوس کرتے ہوئے کہ مولانا مدظلہ، بعض مجبوریوں اور صحت کی خرابی کی بنا پر خود تشریف نہیں لائے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی نمائندگی کے لیے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ریڈر شعبۂ عربی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ مکرمہ کو بھیجا ہے میں انہیں ایوارڈ قبول کرنے کے لئے دعوت دیتا ہوں۔ ایوارڈ عنایت کرنے کے لئے اس سے قبل ڈاکٹر محمد ناصر صاحب کو دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر ناصر صاحب نے عربی میں مقالہ پڑھا اور سعودی مملکت وہاں کی اہم شخصیتوں امام محمد بن عبدالوہاب، ملک عبدالعزیز اور شاہ فیصل کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ ان کا عالم اسلام پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔ انڈونیشیا میں اسلام اور اس کی دعوت کا تعارف کرایا۔ تالیوں کی گونج میں ڈاکٹر ندوی صاحب ایک باڈی گارڈ کے ہمراہ اسٹیج کے پاس تشریف لائے۔ امیر ولیعہد نے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے مصافحہ کیا اور مبارکباد کے ساتھ ایوارڈ پیش کیا، ڈاکٹر ندوی آگے بڑھ کر مائک پر تشریف لائے، اور حضرت مولانا مدظلہ کا پیغام پڑھ کر سنایا جو مجمع کے لئے باعث توجہ بن گیا، بار بار لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر پڑھنے والے کی جانب دیکھ رہے تھے، محترم و لبیعد اور امراء ہمہ تن گوش تھے اور جب ڈاکٹر ندوی نے یہ اعلان کیا کہ حضرت مولانا مدظلہ، نے اس ایوارڈ کی مادی رقم کو مندرجہ ذیل طور پر تقسیم کر دینے کے لئے مجھے ہدایت دی ہے، تو پورا ہال تالیوں اور "اللہ اکبر" کے نعروں سے گونج اٹھا اور تمام لوگ سراپا اشتیاق بن کر متوجہ ہو گئے۔

ایوارڈ کی نصف رقم مجاہدین افغانستان، ایک چوتھائی مدارس حفظ قرآن جس کی نگرانی شیخ محمد صالح قزاز کرتے ہیں اور دوسری چوتھائی رقم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو دینے کا اعلان کیا۔ گویا تمام رقم ایک ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھ سے "سبیل خیر" میں صرف کر دی۔ اہل تعلق جانتے تھے کہ حضرت مولانا مدظلہ، ایسا ہی کوئی خیر کا کام کریں گے لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے بیشتر حضرات اور خصوصاً بڑی شخصیتیں محو حیرت تھیں کہ رقم آمدنی سے پہلے صرف کر دی گئی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بعد باری باری ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب اور دونوں ادیب ڈاکٹر احسان عباس (فلسطینی) استاد بیروت یونیورسٹی لبنان اور ڈاکٹر عبدالقادر قط (مصری) استاد عین شمس یونیورسٹی قاہرہ ایوارڈ دئے گئے اور سب نے مقالے پیش کئے۔ ڈاکٹر احسان

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام

فیصل ایوارڈ کمیٹی کے نام

(فیصل ایوارڈ کمیٹی نے مولانا ندوی کو ایوارڈ حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ ۱۲ر فروری کو تقسیم انعام کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی تھی، مگر مولانا اپنی غیر معمولی مصروفیتوں اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکے البتہ اپنی طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو مکلف فرمایا کہ وہ ان کی قائم مقامی کریں اور مندرجہ ذیل پیغام اس انعامی تقریب کے موقع پر حاضرین تک پہنچا دیں۔

ذیل میں اس پیغام کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے۔

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

معزز صدر جلسہ اور حاضرین بزم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ہم آپ کے اور عالمی فیصل ایوارڈ کی اس سلکشن کمیٹی کے شکر گذار ہیں جس کے منتخب انعام یافتہ حضرات میں ہمارا بھی نام شامل ہے۔

آپ حضرات کا یہ انتخاب اگر کسی بات کی شہادت دیتا ہے تو وہ مکمل اور بھرپور اعتماد ہے جو اسلام کے اس خادم کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جو حسب توفیق الٰہی اپنی مقدرت بھر دین کی خدمت میں مشغول ہے۔ مختلف میدانوں میں اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی و سرپرستی کے لئے جس طرح یہ حکومت اور فیصل ایوارڈ کمیٹی کام انجام دے رہی ہے اس سے ہم سب خوب واقف ہیں، نیز اس ایوارڈ کی معنوی قدر و قیمت اور اس بلند و پاکیزہ جذبات سے بے خبر نہیں جو اس کی تہہ میں کارفرما ہیں۔

دین کی خدمت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیت سے یہ کام بغیر کسی اجرت اور معاوضہ کے تصور کے انجام دیا جائے، سلف صالحین اور اللہ کے مخلص بندوں کا طرز عمل ہمیشہ اس معاملہ میں یہی رہا ہے کہ وہ اس دنیا میں دین کی کسی خدمت کا ادنیٰ معاوضہ حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے تھے بلکہ اس بات سے چوکنا رہا کرتے کہ خدانخواستہ ان کے دینی کاموں میں دنیاوی نفع کا شائبہ بھی آسکے، لیکن آج کے دور میں اسلام خود عالم اسلام میں اجنبی بن کر رہ گیا ہے اور جس اسلام نے پوری انسانیت پر احسانات کی بارش کی تھی اب اسی کے ساتھ احسان فراموشی اور بے مہری سے کام لیا جا رہا ہے اور اسکی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسلام کے خلاف سرگرم مخالف طاقتوں کی سرپرستی کی جا رہی ہے اور الحاد و بے دینی کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ ان اسباب و محرکات کی بنا پر اسلام کا درد رکھنے والوں نے دینی کاموں میں سرگرمی پیدا کرنے اور علمی و ادبی محاذوں پر کام کرنے والوں کی سرپرستی و ہمت افزائی کے لئے جو چند اقدامات کئے ہیں ان میں عالمی فیصل ایوارڈ کمیٹی کا قیام سرفہرست ہے، جس نے اس دین حنیف کی خدمت کرنے والوں کے لئے بطور ہمت افزائی ایک مخصوص سالانہ انعام دیئے جانے کا فیصلہ کیا، یہی احساسات مجھ پر اس وقت غالب تھے جب میں نے اس انعام کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا جو میری ادنیٰ خواہش و طلب کے بغیر بالکل خلاف توقع تھا۔ اس ایوارڈ کا انتساب جس شہید ملک فیصل کے نام نامی سے ہے اور اس کی تہہ میں جو پاکیزہ جذبات کارفرما ہیں ان سب کا تقاضا تھا کہ میں شکر و سپاس کے جذبات کے ساتھ اس قدر افزائی کو قبول کر لوں اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ یہ انعام جس نیک نیتی پر مبنی ہے اس کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

چند ناگزیر اسباب اور پہلے سے طے شدہ ضروری پروگرام کی وجہ سے خود اس انعام کو قبول کرنے اور ذاتی طور پر شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا، میری طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ریڈر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی اس مبارک موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔

اس انعام کی جو غیر معمولی معنوی قدر و قیمت ہے وہ اس کی مالی حیثیت کے مقابلہ میں بہت بلند ہے۔

جہاں تک اس ایوارڈ کی مادی قدر و قیمت کا تعلق ہے میں آپ کی اجازت سے اس کو دین و ملت کے ان کاموں پر صرف کرنا پسند کروں گا جن کا اعلان ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اس موقع سے ایوارڈ لیتے وقت کریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس پیغام کو سنانے کے بعد ڈاکٹر ندوی نے کہا،

ولی عہد معظم! اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا کہ مولانا ندوی کی طرف سے اس انعامی رقم کے مندرجہ ذیل طریقہ سے تقسیم کا اعلان کروں۔

روسی جارحیت کی وجہ سے ہمارے بے شمار افغانی بھائیوں کو گھر سے بے گھر ہونے پر مجبور ہونا پڑا، سعودی حکومت نے ان بے گھر پناہ گزینوں کی امداد و اعانت کے لئے بڑی فیاضی سے امداد دی ہے اس لئے مولانا ندوی نے انعامی رقم کا نصف حصہ پناہ گزینوں کے فنڈ میں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

بقیہ نصف رقم میں سے ایک ربع مکہ مکرمہ میں حفظ قرآن کے مدارس کے لئے اور باقی چوتھائی رقم مکہ مکرمہ ہی کے مدرسہ صولتیہ کے لئے، تاکہ یہ دونوں ادارے دینی تعلیم کے کاموں کو سرگرمی سے انجام دیتے رہیں۔

بقیہ ص ۳

پہلی اور بنیادی شرط ہے، اس کے بعد دوسرا درجہ تقویٰ اور عمل صالح کا ہے یعنی جو لوگ اس دعوت کے ہراول دستہ ہوں ان کی ذاتی زندگیاں ممکن حد تک صلاح اور تقویٰ کے معیار پر ہوں، اور پھر تیسری چیز اجتماعی تربیت اور ایسے معاشرہ کو وجود میں لانا ہے جو نہ صرف یہ کہ زبان سے اسلامی نظام کے احیاء کی آواز بلند کرتا ہو بلکہ وہ معاشرہ اپنے اوپر اس نظام کے تقاضوں کو نافذ کئے جانے میں مطمئن ہو اور بخوشی اس پر راضی ہو، میرا مقصد ان ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنا ہے جو انقلاب اسلامی کے اعلان کے بعد قدرتی طور پر سامنے آجاتی ہیں، ہمیں پاکستان و ایران میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں بھی ان تقاضوں اور ذمہ داریوں کا شعور اور احساس بہت کم ہے، ایسے اشخاص بہت کم ہیں جو اسلامی اقدار اور احکام کو علیٰ وجہ البصیرۃ جان کر اور سمجھ کر نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، حضرت عمرؓ کا قول ہے "تفقهوا قبل ان تسودوا" آثار صاف بتلا رہے ہیں کہ اب مسلم ممالک کے سربراہ اور اصحاب اقتدار اپنے عوام کو زیادہ دنوں تک دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور ان کو عوام کی جائز خواہشات کے آگے جھکنا پڑے گا، اس لئے ضروری ہے کہ آنیوالے حالات کے مطابق ہم اپنے آپ کو تیار کریں۔

اس سلسلہ میں ان علماء اور دینی فہم و بصیرت رکھنے والے حضرات، جو صلاح و تقویٰ کے اعتبار سے درجۂ شہرت پر فائز ہیں، کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اب وقت محض اجمالی طور پر نظام اسلامی اور شریعت اسلامی کی تنفیذ کے مطالبہ کا نہیں ہے بلکہ اب زندگی کے تمام شعبوں میں تفصیل کے ساتھ اسلامی احکام و شریعت کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہے، ایسی رہنمائی جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اور ایسی رہنمائی جس میں زمانہ کے تقاضوں اور وقت کے سوالات کا بھرپور جواب ہو،

اگر بروقت اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور پہلے سے اس بڑے اور نیک کام کے لئے پوری طرح تیاری نہیں کر لی گئی تو پھر جب عملی طور پر علیٰ وجہ البصیرۃ اسلامی شریعت کی تنفیذ کا وقت آئے گا تو عالم اسلام کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اسلام کا نظام حیات زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے اور اس کے پاس زمانہ کے مسائل و مشکلات کا کوئی حل نہیں ہے کیا اس الزام کو علماء اور اسلامی مفکرین سننے کے لئے تیار ہوں گے۔

جدید انقلاب کی سرزمین

ایران میں ایک ہفتہ

مولانا ابوالعرفان خاں ندوی، صدر شعبۂ دینیات دارالعلوم ندوۃ العلماء

شاہِ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے خلاف "ایرانی" عوام اور وہاں کے مذہبی رہنماؤں نے پندرہ سال سے جد و جہد شروع کی تھی اور عوامی انقلاب لانے کی سعی و کوشش کی ابتدا کی تھی اس کے نتیجہ میں آج سے پندرہ سال پہلے "ایران" کے مذہبی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی، جلا وطن کر دئے گئے تھے اور وہ عراق میں قیام پذیر ہو گئے تھے لیکن ایرانی عوام کی کوششیں برابر جاری رہیں اور ادھر دو ڈھائی برس پہلے ان کوششوں میں تیزی اور شدت پیدا ہو گئی۔

محمد رضا شاہ پہلوی نے ہر ممکن طریقہ پر انقلاب کی کوشش کو دبانا چاہا اور عوام کے مظاہروں اور جلوسوں کو فوجی پیمانے پر ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے بمباری کے ذریعہ ختم کرنا چاہا لیکن ایرانی عوام نے شاہ کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا اور ساٹھ ہزار عوام کی جانی قربانی دے کر اور ایک لاکھ سے زائد افراد نے معذور و اپاہج بن کر ایران کو صدیوں کی شاہی حکومت سے نجات دلا دی۔

یہ واقعہ فروری ۱۹۷۹ء میں پیش آیا امام خمینی جو پندرہ سال سے عراق میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور پھر عراق پر شاہ "ایران" کے دباؤ سے وہ فرانس منتقل ہو گئے تھے۔ شاہ ایران کے جانے کے بعد کامیاب انقلاب کے رہنما کی حیثیت سے اپنے وطن ایران واپس آئے اور اس کے بعد ایران کی حکومت کی باگ ڈور انھوں نے سنبھال لی اور یہ اعلان کیا کہ اب آئندہ سے ایران میں اسلامی حکومت ہوگی اور شاہ کے خلاف ہمارا انقلاب اسلامی انقلاب تھا۔

۴ فروری سے ۱۱ فروری تک ایران میں اسلامی انقلاب کی پہلی سالگرہ اور پندرھویں صدی ہجری کی آمد کا جشن تھا، اس میں شرکت کے لئے اور ایران کو قریب سے دیکھنے کے لئے ایران کی موجودہ حکومت نے چند مسلم ملکوں کو چھوڑ کر سارے عالم اسلام کو اور مسلم تنظیموں اور اداروں کے سربراہوں کو شرکت کی دعوت دی، جزائر فیجی، فلپائن، تھائی لینڈ، اور سری لنکا، یورپ اور امریکا و جاپان میں مسلم تنظیمات کے سربراہوں تک کو مدعو کیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے نام بھی دعوت نامہ آیا اور اس کے بعد ہندوستان کے ایرانی سفارت خانہ کے سفیر ان کی طرف سے ان کا خط لے کر ایک خاص آدمی "ندوہ" پہونچا جس میں حضرت مولانا مدظلہ العالی سے ایران کے اس جشن میں شرکت کی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک نمائندہ بھیجنے کی درخواست تھی۔ حضرت مولانا مدظلہ نے اپنی علمی اور تصنیفی مشغولیتوں اور دوسرے پروگراموں کی وجہ سے جو پہلے سے طے شدہ تھے شرکت سے معذوری ظاہر فرمائی اور راقم الحروف کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے اور دارالعلوم کی طرف سے بھی ایران کے اس جشن میں شرکت کرو اور اس سفر میں وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر ہمیں اس کی تفصیلات سے مطلع کرو، چنانچہ ۳ فروری کو دہلی پہونچا وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ ہندوستان سے آٹھ دس بلکہ اس سے زیادہ افراد مدعو ہیں۔ جماعت اسلامی ہند کے امیر جماعت اس کے دونوں جنرل سکریٹری اور اس جماعت کے انگریزی اخبار "ریڈینس" کے ایڈیٹر بھی دو دن پہلے ایران روانہ ہو چکے ہیں۔ سفیر ایران نے ہم کو ۴ فروری کو ایرانی سفارت خانہ پہونچنے کی ہدایت کی تھی چنانچہ ہم اس تاریخ کو دس بجے دن میں سفارت خانہ پہونچے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ انگریزی کے لکچرر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور لکھنؤ "علی کانگریس" کے نمائندے شکیل حسن شمسی بھی سفارت خانہ میں موجود تھے، ضابطہ کی کارروائیوں کے بعد ہم تینوں کا سفر ۴ فروری کا دن گذار کر رات میں ڈھائی بجے "ایئر فرانس" سے طے ہوا، ڈھائی بجے رات میں پرواز تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ ساڑھے بارہ بجے تک ہوائی اڈہ پہونچکر اپنی آمد کی رپورٹ اور سفر سے پہلے کے جملہ کارروائیوں کو مکمل کر لینا چاہیے۔

از راہ عنایت سفیر ایران نے ہماری قیام گاہ دفتر جماعت اسلامی ہند دہلی پر گیارہ بجے رات میں گاڑی بھیجدی اور ہم لوگ اس سے ہوائی اڈے روانہ ہو گئے کاغذات کی جانچ اور دیگر دفتری امور کی تکمیل جو بین الاقوامی سفر میں ضروری ہوا کرتی ہیں اور کسٹم کے بعد ہم لوگ تقریباً ۱۲ بجے ایر فرانس کے جمبو جیٹ طیارے میں اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے اور جہاز ہندوستانی وقت سے پونے تین بجے رات میں روانہ ہو گیا، ساڑھے تین گھنٹے کا سفر تھا اور دہلی سے براہ راست طہران کی فلائٹ تھی، بیچ میں اس کو کہیں اترنا نہیں تھا، چنانچہ ہم لوگ ایرانی وقت سے پونے پانچ بجے رات میں "طہران" پہونچ گئے، طہران اور نئی دہلی میں دو گھنٹہ . . . کا فاصلہ ہے یعنی نئی دہلی میں جس وقت سورج طلوع ہوتا ہے اس کے دو گھنٹہ بعد طہران میں سورج طلوع ہوتا ہے اور دہلی میں جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس کے دو گھنٹہ بعد طہران میں سورج غروب ہوتا ہے۔

ہم جب طہران پہونچے ہیں تو ابھی فجر کی نماز کا وقت نہیں ہوا تھا اور ابھی سوا گھنٹہ وقت باقی تھا جبکہ اس وقت دہلی میں پونے سات بج رہے ہوں گے۔ ایک گھنٹہ ہوائی اڈے کی ایک عمارت میں قیام اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہم لوگ ہوٹل کے لئے روانہ ہوئے۔ اب صبح پورے طور پر ہو چکی تھی اور سورج نکل رہا تھا، تھوڑی دیر بعد ہوٹل پہونچے، ہوٹل کا نام "رائل گارڈن" ہوٹل ہے لیکن انقلاب کے حامی طلبا نے اس کا نام "قدس" ہوٹل رکھ دیا ہے۔ یہ ہوٹل (.....) پندرہ سولہ منزلوں کا ہے اور جملہ مندوبین اور مہمانوں کا قیام اسی ہوٹل میں ہے، ہوٹل جس شاہراہ پر ہے اس کا نام تخت جمشید ہے لیکن اب اس کا نام خیابان آیت اللہ طالقانی ہے، ہوٹل میں قیام کی ابتدائی کارروائی کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں پہونچ گئے، جشن ۴ فروری سے شروع ہوا اور ہم لوگ ایک دن کی تاخیر سے ۵ فروری کو طہران پہنچے بہت سے مندوبین آ چکے تھے لیکن ابھی پاکستانی اور بعض دوسرے ممالک کے مندوبین نہیں پہونچے تھے جو بعد میں شام تک پہونچے۔

آٹھ روزہ جشن کے پروگرام کی ایک کاپی ہم کو دے دی گئی۔ آج ۵ فروری کو آٹھ بجے ناشتہ کے بعد "سعد آباد" شاہی محلات و قصور کی زیارت کا پروگرام تھا، ہماری بسوں کا قافلہ سعد آباد کے لئے روانہ ہوا تقریباً ہوٹل سے پندرہ بیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک پُر فضا پہاڑی مقام پر یہ شاہی محلات ہیں جو اپنے طویل سلسلۂ عمارات کی وجہ سے ایک مستقل آبادی ہے، جب ہماری بس پہاڑی کی بلندی پر چڑھنے لگی تو سڑک کے دونوں طرف برف جمی ہوئی تھی اور اونچے اونچے درخت اور بڑے بڑے لانوں سے یہ سڑک گذرتی ہوئی سب سے بلند مقام پر جہاں شاہ کا خصوصی محل ہے ختم ہوتی ہے، اس مقام پر پہنچنے کے بعد بسوں کا یہ قافلہ جو چودہ پندرہ بسوں پر مشتمل تھا رک گیا اور ہم لوگ پیدل ان محلات کے اندر داخل ہوئے جس میں آج سے ایک سال پہلے شاہِ ایران مع اپنے اہل و عیال اور خاندان کے مقیم تھے۔ فرنیچر اور ساز و سامان، تزئین و آرائش کے لوازمات کا بڑا حصہ تو اب ان محلات میں نہیں ہے، کچھ شاہ اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے اور کچھ جو وہ چھوڑ گئے ہوں گے بہ حفاظت کہیں موجود ہوں گے لیکن پھر بھی جو قلیل حصہ فرنیچر اور سامانِ آرائش کا وہاں موجود تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ کی موجودگی میں یہ محلات کس قدر مزین اور مرصع رہے ہوں گے عمارتوں میں فنی طور پر کوئی ندرت اور کمال نہیں ہے، ہندوستان کے کسی والیٔ ملک کے محلات سے زیادہ شاندار اور بارونق نہیں ہیں لیکن بہر حال ان کی حیثیت شاہی محلات کی ہے اور چونکہ ابھی ایک برس پہلے وہ معمور و آباد تھے اس لئے اس کی رونق اور دل آویزی کے اثرات ابھی محسوس ہوتے ہیں سے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

لیکن یہ محلات جس حالت میں ہیں بہت جلد ویرانی اور کہنگی کے آثار اس میں ظاہر ہوں گے اور جس طرح شاہانِ سلف کے قصور و محلات کا انجام ہوا ہے وہی انجام ان کا بھی ہوگا۔ ؎

پردہ داری میکند بر قصرِ قیصر عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تہران میں

شاہ کے محلات اور قصور اور بھی بعض جگہوں پر ہیں اور وہ ایک محل سے دوسرے محل میں برابر منتقل ہوتے رہتے تھے تاکہ ان کی مشین خواب گاہ کا علم کسی کو نہ ہو سکے، مجھے یہ بات سن کر ساسانی عہد کے اکاسرہ کی تاریخ یاد آ گئی کہ ان کے لئے بھی شاہی محل میں بیس پچیس سے زائد خوابگاہیں ہوا کرتی تھیں لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی اخفا اور اپنی حفاظت کے لئے یہ سلاطین غسل خانہ کے اندر سویا کرتے تھے۔

بارہ بجے تک دوپہر میں ہم لوگ اپنے ہوٹل "قدس" آئے اور دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے کمروں میں آرام کے لئے چلے گئے عام طور پر بین الاقوامی اجتماعات کے موقعوں پر جب بڑے ہوٹلوں میں مہمانوں اور مندوبین کا قیام ہوتا ہے تو یہ قاعدہ ہے کہ مہمانوں کا تعلق براہ راست ہوٹل کی انتظامیہ سے ہو جاتا ہے، وہ جب اور جس چیز کی خواہش کرتے ہیں براہِ راست ہوٹل کی انتظامیہ ان کو وہ چیز مہیا کر دیتی ہے ناشتے اور کھانے کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کمرے میں کھانا یا ناشتہ منگانا چاہے تو "Meno" میں درج اشیاء میں سے اپنی پسند کے مطابق چیزوں کا ٹیلیفون سے آرڈر دیتا ہے اور اس کے کمرے میں وہ ناشتہ اور کھانا پہنچ جاتا ہے یا ہوٹل سے متعلق جتنے بھی ریستوران ہیں مہمان کسی ریستوران میں جا کر اپنی پسند کا کھانا کھا سکتا ہے صرف اس کو بل پر اپنے کمرے کا نمبر اور اپنے دستخط کرنے ہوتے ہیں لیکن تہران میں ناشتے اور کھانے کا نظم ہوٹل ہی کے ایک بڑے ہال میں اجتماعی طور پر تھا۔ لاؤڈ اسپیکر سے اعلان ہوتا تھا کہ کھانا تیار ہے اور مہمان حضرات وہاں ہال میں پہونچ کر یکجائی طور پر کھانا کھاتے تھے اور ناشتے کا بھی اسی طرح انتظام تھا ۵ فروری کو تہران میں ہماری آمد کا پہلا دن تھا اور اس سے پہلے جو رات گذری تھی وہ سفر کی رات تھی جس میں رات بھر کسی وقت بھی ذرا سا آرام کا موقع نہیں ملا تھا اس لئے ۵ تاریخ کو شام کے پروگرام میں شریک نہیں ہوا اور ہوٹل ہی میں اپنے کمرے میں مقیم رہا۔

۶ فروری، آج بعد ناشتہ "سیمینار" میں شرکت کا پروگرام ہے پروگرام میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ "سیمینار" کس موضوع پر ہے۔ ہم لوگ بسوں کے ذریعہ پارلیمنٹ ہاؤس پہنچے اور وہاں تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا، مقررین نے فارسی، انگریزی اور عربی میں تقریریں کیں، ہیڈ فون کے ذریعہ اس کا ترجمہ سننے کا بھی انتظام تھا، تقریریں زیادہ تر ایران کے انقلاب کی تفصیلات، شاہ کے مظالم اور اس انقلاب کے اسلامی ہونے کے اعلان سے متعلق تھیں، عام نعرہ جو تمام تقریبات کے موقعوں پر اور جلسوں میں لگایا جاتا تھا وہ "ثورۃ ثورۃ اسلامیۃ لاشرقیۃ لا غربیۃ۔ ثورۃ ثورۃ حتی النصر" تھا، شاہ اور امریکہ کے خلاف شدید جذبات کا مظاہرہ ہوتا تھا عام طور پر جن پروگراموں میں تقریریں ہوا کرتی تھیں ان سب میں اس انقلاب میں ایرانی عوام نے جو قربانیاں دی ہیں، جو شہید ہوئے ہیں اور شاہ کی طرف سے جو مظالم ہوئے ہیں، اور امام خمینی کی قیادت میں جو اسلامی انقلاب آیا ہے ان سب کی تفصیلات ہوا کرتی تھیں، مہمانوں کی طرف سے مبارکباد اور مسرت و خوشی کا اظہار ہوا کرتا تھا۔

شام کو ہم لوگ امام بارہ ارشاد دیکھنے گئے۔ یہ امام بارہ وہاں کی دینی اور ثقافتی تحریکات و اجتماعات کا مرکز ہے اور یہاں سے مذہبی رہنما اور لیڈر حضرات عوام کو خطاب بھی کیا کرتے ہیں، ایک تفصیلی پروگرام یہاں بھی بچوں کے ترانوں اس کے بعد تقریروں کا ہوا ایران کے سابق وزیر اعظم جو انقلاب کے فوراً بعد وزارت عظمیٰ پر آئے تھے مہدی بازرگان ہیں جو ایران کی ممتاز اور اہم شخصیت ہیں اس جلسہ میں وہ بھی شریک تھے اور انہوں نے پندرہویں صدی ہجری کے موضوع پر ایک طویل مقالہ پڑھا جس میں ہجرت کا فلسفہ اور اس کے حِکم و مصالح بیان کئے، ان کے اس مقالہ کا ترجمہ ساتھ ساتھ اردو، عربی، انگریزی میں دو مترجمین کر رہے تھے۔

۷ فروری کو "قم" کا پروگرام ہے یہ شہر تہران سے ۸۵-۹۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور ایران کے مذہبی رہنما اور شیعہ مجتہدین کا یہ مرکز ہے خود امام خمینی کی زندگی کا بڑا حصہ قم میں گذرا ہے اور شاہِ ایران کے ایران چھوڑنے کے بعد امام خمینی نے جب فرانس سے ایران واپس آئے ہیں تو قم میں ہی قیام اختیار کیا ہے اس لئے اس شہر کو مذہبی تقدس حاصل ہے یہاں اثنا عشری شیعوں کے امام ہشتم امام علی رضا کی بہن کا مزار بھی ہے جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ زیارت گاہ، مسجد اور اسی سے ملا ہوا ہاسپٹل اور شہرۂ آفاق مدرسہ "فیضیہ" ہے جہاں امام خمینی نے تعلیم حاصل کی اور جہاں پھر بعد میں بہ حیثیت استاد اور پھر بہ حیثیت سربراہ زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کیا ہے۔ یہیں سے انہوں نے محمد رضا شاہ پہلوی کے خلاف عوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اس لئے ان نئے حالات میں قم کی اور زیادہ اہمیت ہو گئی ہے، ہم لوگ تقریباً ۱۱ بجے قم پہونچے سڑک کے دونوں طرف زیارت گاہ تک ہجوم تھا اور وہ آنے والے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے، ہم لوگوں کا قیام یہاں دن بھر رہا، عمارت کے احاطہ میں پولیس اور فوج کا پہرہ تھا عوام کو آنے کی اجازت نہیں تھی اور عمارت کے چاروں طرف عوام کا بے پناہ ہجوم تھا، پھاٹک کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر ہم لوگوں کے کھانے کا انتظام تھا۔ غالباً یہ قم آنے والوں اور زائرین کے لئے مہمان سرائے تھی جو اپنی تزئین و آرائش میں کسی طرح (.....) ہوٹل سے کم نہیں تھی سہ پہر کو جلسہ شروع ہوا، اس جلسہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صدر مملکت ابوالحسن بنی صدر نے بھی شرکت کی اور آیت اللہ العظمیٰ منتظری جو "قم" ہی میں مقیم ہیں انہوں نے بھی جلسہ کو خطاب کیا، مغرب بعد ہم لوگ قم سے روانہ ہوئے اور دو گھنٹہ بعد بخیریت ہوٹل پہنچ گئے۔

۸ فروری جمعہ، آج ناشتہ کے بعد امام خمینی سے ہسپتال میں جہاں وہ زیر علاج ہیں ملاقات کا پروگرام تھا چنانچہ ہم لوگ ۹ بجے روانہ ہوئے اور ہوٹل پہنچے ہوٹل ہی میں تیسری منزل پر ایک بڑے ہال میں ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے ہمیں ہدایت کی گئی کہ امام خمینی ابھی تھوڑی دیر میں تشریف لائیں گے ان کی آمد پر کوئی نعرہ نہ لگایا جائے اور نہ شور ہو کیونکہ ڈاکٹروں کی سخت ہدایات ہیں، چنانچہ تھوڑی دیر بعد امام موصوف ڈاکٹروں کے ساتھ اور صدر مملکت بنی صدر کے ساتھ تشریف لائے امام خمینی کی عمر ۸۰ سال کی ہے اور وہ اس وقت تہران کے ایک ہاسپٹل میں عوارض قلب کے لئے مقیم ہیں، ابھی کچھ دنوں پہلے ان پر قلبی دورہ پڑا تھا جس کا وہ وہاں علاج کرا رہے ہیں، چہرے پر وجاہت اور رونق تھی پانچ منٹ بہت کمزور آواز میں تقریر کی جو بعد مترجم کے ترجمے سے سمجھ میں آئی اور پھر امام موصوف اپنے کمرے واپس چلے گئے، جتنی دیر امام موصوف کرسی پر بیٹھے رہے بنی صدر کھڑے رہے جب امام موصوف تشریف لے گئے تو ان کی جگہ کرسی پر وہ بیٹھ گئے۔ بنی صدر تقریباً ۴۸ سال کے لیکن دیکھنے میں اس سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا مزاج سادہ، ذہن متوازن، طبیعت سنجیدہ، چہرہ ہنس مکھ ہے، گفتگو سے اندازہ ہوتا کہ حقیقت پسند ہیں، جوش سے زیادہ ہوش معلوم ہوتا ہے، بحیثیت صدر ان کے بیانات بھی بہت ہی متوازن معتدل اور معقولیت پر مبنی ہوتے ہیں، امام خمینی کا ان کو اعتماد حاصل ہے۔

چونکہ آج جمعہ کا دن تھا اس لئے دوسرا اہم پروگرام جمعہ کی نماز کا تھا۔ شاہ کے زمانہ میں جمعہ کی نماز کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ اس زمانہ میں تہران میں نماز جمعہ کی امامت شاہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا امام کرتا تھا اور عام طور پر دینی طبقہ کے لوگوں کو شاہ سے بُعد اور نفرت تھی اس لئے بہت کم لوگ نماز میں شریک ہوتے تھے، لیکن اب جب کہ ایران ایک اسلامی مملکت ہو گیا ہے نماز جمعہ کی امامت امام خمینی کا مقرر کردہ شخص کرتا ہے تو نماز جمعہ میں بہت بڑی جماعت ہوتی ہے اور بڑے جوش و خروش سے عوام شریک ہوتے ہیں، دس پندرہ لاکھ کا مجمع ہوتا ہے۔

شام کو ۶ بجے سے تقریروں کا پروگرام تھا، تقریروں کا موضوع بالعموم ایک ہی ہوتا تھا جیسا ہم لکھ چکے ہیں، اختتام تقریر کے بعد ہم لوگ تہران کے بلدیہ لے جائے گئے جہاں شاہی عہد کے عوام کی اقتصادی پریشانیاں اور ان کے غربت و افلاس کا مظاہرہ اور شاہی خاندان کے عیش و راحت و آرام کو پردۂ فلم پر دکھایا گیا اور اس کے بعد یہیں بلدیہ میں رات کا کھانا ہوا جو ایران کے مخصوص کھانوں پر مشتمل تھا۔

(جاری)

فلسطین، ایک قصۂ پارینہ؟

ابو المعظم ندوی

چند سال قبل تک کسی عرب ملک اور اسرائیل کے درمیان کسی سیاسی و سرکاری گفتگو کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا مگر مصر کی پیش قدمی نے اس قضیہ کو کچھ ایسا رُخ دیا کہ ناممکن چیز ممکن نظر آنے لگی اور بات اتنی آگے بڑھ گئی کہ دونوں ملکوں کے درمیان سرکاری سطح پر تعلقات استوار ہو گئے اور سفارتی سرگرمیوں کے مراکز قائم ہو گئے۔ جلد یا بدیر تمام عرب ملکوں سے اسرائیل کے تعلقات استوار ہو جائیں گے، امریکہ کے دباؤ سے تمام عرب ممالک کے قائدین کی دلی خواہش یہی ہے کہ اسرائیل سے تعلقات قائم کئے جائیں مگر دکھاوے کی مصلحتوں کی وجہ سے فی الحال یہ رشتے ابھی قائم نہیں ہو سکے ہیں۔ جہاں تک فلسطین کے مسئلہ کا تعلق ہے، وہ تو ہمیشہ کے لئے عرب قائدین کی بدولت ۱۹۴۸ء ہی میں دفن کیا جا چکا تھا، اس تکفین و تدفین میں بھی یہی عرب حکام پیش پیش تھے۔ ۱۹۶۷ء میں اس پر مکمل فاتحہ پڑھ لیا گیا۔ فلسطینی باشندے اب تمام عرب ملکوں میں عیش و تنعم کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس جنت سے ان کا نکلنا اب ناممکن ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ تمام عرب ملک اس مسئلہ پر متفق ہیں اور ان کی فوجیں بیت المقدس کو خالی کرانے اور فلسطین کو آزاد کرانے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ فلسطینی فدائیوں کی مختلف جانباز تنظیمیں دشمن سے ٹکر لے رہی ہیں۔ ایران نے بھی فلسطین کی آزادی کے لئے فوج بھیجنے پر اپنی رضامندی دے دی ہے، شام تو بہت پہلے سے دشمن سے صلح نہ کرنے اور اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے کمربستہ ہے، روس جیسی عظیم طاقت اس کی پشت پر جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ موجود ہے، بین الاقوامی سطح پر فلسطین کے لئے مکمل مفاہمت اور اس کے قضیہ سے ہمدردی پائی جاتی ہے۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، مگر ان خبروں کو پڑھئے اور پھر فلسطین کے مسئلہ کو تلاش کرنے کی کوشش کیجئے۔

پہلی خبر یہ ہے کہ "متعدد عرب ملکوں کے سربراہوں نے امریکی صدر کارٹر کو مطلع کیا ہے کہ وہ کسی بھی فلسطینی ریاست کے قیام کے خلاف ہیں۔" جی ہاں یہ بیان امریکہ کے صدر نے دیا ہے اور نیوز ایجنسیوں نے اس کو پوری دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ یہ خبر آپ نے بھی پڑھی ہوگی مگر آپ نے کہیں یہ بھی پڑھا کہ صدر کارٹر کے اس بیان پر تمام عرب ملکوں کے قائدین یا ان کے سفارت خانوں نے سخت یا نرم احتجاج کیا ہے یا کسی عرب اخبار نے اس بیان پر احتجاج کرتے ہوئے اپنے حکمرانوں سے اس مسئلہ کی وضاحت طلب کی ہو، یا قومی سطح پر عوام نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا ہو۔ نہیں۔ آپ کے اطمینان کے لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ متفقہ طور پر ہر ایک نے اس بیان کو نظر انداز کر دیا، حد یہ ہے کہ شام جو ہر وقت مصر اور اسرائیلیوں کو گالی دیتا رہتا ہے وہ بھی مہر بہ لب ہے۔

فلسطین کی تنظیم آزادی بھی اس بیان پر کچھ نہ کر سکی، اس کی تنظیموں نے کوئی احتجاج کرنا ضروری نہیں سمجھا، توڑ پھوڑ کرنا تو الگ رہا۔ حد یہ ہے کہ نیوز ایجنسیوں نے اس مندرجہ بالا خبر کے ایک ہفتہ کے بعد یہ دوسری خبر ساری دنیا کو سنائی کہ فلسطینی تحریک آزادی کے قائدین کا خیال ہے کہ فلسطینی ریاست قائم کرنے کے لئے امریکہ سے گفتگو ضروری ہے۔ لیکن سب سے بڑی رکاوٹ اس سلسلہ میں شامی قائدین پیدا کر رہے ہیں، اس لئے کہ اگر صلح ہو جاتی ہے تو عرب ملکوں سے رقم اینٹھ کر کھانے کو نہیں ملے گا اور ساری امدادی رقوم کی آمد ختم ہو جائیگی۔

مندرجہ بالا خبروں کے بعد بھی آپ کو فلسطین کا مسئلہ حل ہوتا ہوا کہیں دکھائی دیتا ہے تو ہمیں بھی بتائیے۔ آئیے اب تیسری خبر پڑھ کر فلسطین کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیجئے اور ہمیشہ کے لئے فارغ ہو جائیے۔

دمشق کے سرکاری ترجمان روزنامہ البعث نے امریکی ذرائع سے خبر دی ہے کہ سعودی اور اردنی حکام نے فلسطین کے قیام کی مخالفت کی ہے، نیز شاہ حسین نے ایک فوری چوٹی کانفرنس اس مقصد کے لئے طلب کرنے کی تجویز پیش کی ہے، جس میں اسرائیل کے وجود کو تسلیم کئے جانے اور پڑوسی ملکوں کے ساتھ امن و سلامتی کے ساتھ رہنے کے مسئلہ پر بحث کی جائے،

معمول کے مطابق سابقہ خبروں کی طرح اس خبر کی بھی کسی نے تردید کی زحمت گوارا نہیں کی۔ خدارا ہمیں کوئی بتائے کہ کیا اب بھی فلسطین کے مسئلہ کا کہیں وجود باقی ہے؟

جی ہاں۔ اب بھی یہ مسئلہ زندہ ہے، تمام عرب کانفرنسوں میں سب سے پہلے مسئلہ فلسطین پر بحث کی جاتی ہے، دھواں دھار تقریریں کی جاتی ہیں۔ اور فلسطینی عوام کے غم میں ڈٹ کھا کر نئی قرارداد منظور کی جاتی ہے اور لاکھوں کروڑوں ڈالر فلسطینیوں کو چندہ میں دے دیا جاتا ہے اور یہ فلسطینی یورپ و امریکہ میں کوٹھیاں بنواتے ہیں۔ اور فلسطین کے کاز کے لئے ساری دنیا کا چکر لگاتے ہیں۔

ایک طرف اپنوں کی بے حسی، بے غیرتی اور سودے بازی ہے، دوسری طرف دشمنوں کی سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے
کھائیں کدھر کی چوٹ بچائیں کدھر کی چوٹ

لیکن مایوسیوں کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک دیا اب بھی ٹمٹما رہا ہے یہ قندیل رہبانی اب بھی انہی لوگوں کے سینوں میں جل رہی ہے جنھوں نے سب سے پہلے فلسطین کے لئے مالی و جانی قربانی دی تھی، اور اب بھی وہ زخموں سے چور استبدادی حکومتوں کے جنگل میں کراہ رہے ہیں لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایسے لوگ رجعت پسند اور استعماری طاقتوں کے ایجنٹ قرار دئیے جاتے ہیں، متعصب اور فرقہ پرست اور تنگ نظر سمجھے جاتے ہیں، یہ گروہ اگرچہ تعداد میں کم ہے مگر ایمانی حرارت اور جہاد کے جذبہ سے سرشار ہے۔ شاید انہیں کی بدولت ہنگوں کے نشیمن تہ و بالا ہو جائیں۔

- - - - - - - -

پرنٹر، پبلشر، جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگران اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت:
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

اعلانِ ملکیت و دیگر تفصیلات، فارم نمبر ۴ رول نمبر ۸

مقام اشاعت	:	شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ
مدت اشاعت	:	پندرہ روزہ
پرنٹر کا نام	:	جمیل احمد
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۲۶۵/۴۹ وکٹوریہ گنج لکھنؤ
پبلشر کا نام	:	جمیل احمد
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۲۶۵/۴۹ وکٹوریہ گنج لکھنؤ
مجلس ادارت	:	(۱) نذر الحفیظ ندوی (۲) شمس الحق ندوی (۳) محمود الازہار ندوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	دار العلوم ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ
مالک کا نام	:	ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں جمیل احمد تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

جمیل احمد
یکم مارچ ۸۰ء

عالَمِ اسلام

نذر الحفیظ ندوی

خبروں کے آئینہ میں

- ○ افغانستان پر روسی یورش سے مصری طلبہ میں غم و غصہ کی لہر۔
- ○ مصر میں غیر سودی اسلامی بنک کا قیام۔
- ○ مسلم ممالک نے مصر سے سودی روپے کا مطالبہ کیا۔
- ○ اسرائیلی سفارت خانہ نیل کے کنارے۔
- ○ سوڈان میں مسلم دشمن خفیہ تنظیم کا انکشاف۔
- ○ نیل کے پانی سے اسرائیلی کھیتوں کی سیرابی۔
- ○ سابق شاہِ ایران کی نحوست۔
- ○ جنوبی یمن اور فلسطینی تحریک آزادی کے درمیان کشیدگی۔
- ○ روسی مسلمان قرآن مجید کا نسخہ حاصل کرنے کے لئے ہر قیمت پر تیار۔

افغانستان پر روسی استعمار کی یورش سے پوری دنیا بوکھلا اٹھی سب سے زیادہ مصر نے اپنے خاص مصالح کی بنا پر سرکاری سطح پر مخالفت کی مگر مصری نوجوانوں میں یہ جوش و جذبہ اتنا بڑھا کہ متعدد کانفرنسیں اس مقصد سے کی گئیں اور طلبہ نے افغانستان جا کر روسیوں سے دست بدست جنگ کرنے اور اس مقدس جہاد میں شرکت کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

ازہر اور طنطا یونیورسٹی میں طلبہ کی کانفرنس جب ختم ہوئی تو نوجوان جذبۂ جہاد سے سرشار تھے، ایک نوجوان جو بہت کمسن لگ رہا تھا اس نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا نام لکھ لیا جائے، ہم افغانستان جانے کے لئے تیار ہیں، اس نے اپنی والدہ کا اجازت نامہ بھی دکھلایا جس میں اس بیوہ خاتون نے اس آخری سہارے کو راہ خدا میں جانے کے لئے اجازت دی تھی بلکہ اپنی مسرت کا اظہار کیا تھا۔

● دوسری خبر قاہرہ ہی سے یہ آئی ہے کہ بڑی تعداد میں مصریوں نے اپنا مالی تعاون دینے کے ساتھ خون کے عطیات کی پیشکش کی ہے۔ عوام نے حکومت مصر سے مطالبہ کیا ہے کہ افغان مجاہدین کی مدد کے لئے مصری نوجوانوں کو بھرتی کیا جائے اور ان کی جنگی مشق کے لئے مراکز قائم کئے جائیں۔

● کئی سال سے مصر میں اسلامی بنک نے اپنی شاخیں کھول رکھی ہیں، مگر مصری سنٹرل بنک کی منظوری سے مصری بنک نے ایک سال تک تحقیق کرنے اور فنی معلومات جمع کرنے کے بعد اپنے یہاں اسلامی معاملات سے متعلق غیر سودی شعبہ قائم کرنے پر رضامندی دیدی ہے۔ چنانچہ بنک نے گذشتہ ہفتہ اپنے اس برانچ کا باقاعدہ افتتاح کیا اور مصریوں کو غیر سودی بنک کاری کے نظام سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دی۔ اس افتتاح کے بعد بنک نے پورے ملک میں ایسی شاخوں کے قیام کی منظوری دیدی ہے۔

● اس خوش کن خبر کے ساتھ یہ خبر بھی پڑھ لیجئے کہ عرب ملکوں نے دو ہزار ملین ڈالر سے زیادہ رقم مصری بنکوں میں جمع کر رکھی ہے اگرچہ اس رقم پر سود کی شرح غیر معمولی حد تک کم ہے، پھر بھی دو سو بائیس ملین ڈالر کی رقم سود کے مد میں ہو چکی ہے، مصر نے اس سود کو ادا نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس سے عرب اور اسلامی حکومت کا دعویٰ کرنے والے حکام پریشان دکھائی دیتے ہیں۔

● قاہرہ میں جب اسرائیلی سفارت خانے کے لئے جگہ کے انتخاب کا مسئلہ آیا تو مصری حکومت نے دار الحکومت کے شمال میں جدید مصر (ہیلیو پولس) میں اسرائیلی سفارت خانہ کے لئے جگہ تجویز کی لیکن اسرائیل نے اس کو مسترد کر دیا اور نیل کے کنارے ایک جگہ منتخب کی۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اس جگہ پر کوئی مناسب عمارت نہیں ہے مگر اسرائیلی حکومت اسی پر اڑ گئی اور کہتی ہے کہ اگر ہمیں عمارت نہ ملی تو کوئی پروا نہیں ہم خیمہ ڈال کر اپنا سفارتی کام چلائیں گے۔ مصری حلقے حیرت سے سوال کر رہے ہیں کہ آخر اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے، مصری ماہنامہ الدعوۃ نے (جو اخوان کا ترجمان ہے) لکھا ہے کہ بات واضح اور سیدھی سی ہے کہ اسرائیل نے اپنی پارلیمنٹ کے صدر دروازے پر جو نقشہ کندہ کروا رکھا ہے اس میں نیل سے فرات تک (مصر سے بغداد تک) قبضہ کرنے کی جو اسرائیلی خواہش اور عزم پوشیدہ ہے اسی کا یہ ایک سفارتی اظہار ہے۔

● سوڈان سے آمدہ ایک خبر سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ سوڈانی حکام نے ایک خفیہ بین الاقوامی تنظیم کے مرکز پر چھاپہ مار کر بڑی تعداد میں ایسے پمفلٹ اور کتابیں برآمد کی ہیں جنمیں اسلام اور مسلم ملکوں کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا تھا، دو لاکھ کی تعداد میں یہ کتابیں اسلام کے خلاف زہریلے معلومات سے پُر ہیں۔

● کویت کے اخبار الوطن اس خبر کا ذمہ دار ہے جس میں سوڈانی حکام کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اگر مصر نے اسرائیلی زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے اسرائیل کو نیل کا پانی دیا تو سوڈان نیل کے پانی پر کنٹرول قائم کر کے صرف اتنے ہی پانی کی مقدار مصر کو جانے دیگا جتنا کہ ایک معاہدہ کے مطابق مصر کا حق ہے۔

دوسری طرف مصری وزیر اعظم مصطفیٰ خلیل نے مصر کے قومی اسمبلی میں اعلان کیا ہے کہ نیل کا پانی صرف اور صرف مصر ہی کے کام آئے گا۔

● عرب اخبارات آجکل یہ سوال کر رہے ہیں کہ سابق شاہ ایران کی نحوست اب کس ملک میں جائے گی۔ رضا شاہ جب امریکہ گئے تو امریکی یرغمال بنا لئے گئے۔ جب پناما پہنچے تو وہاں اتنے سنگین قسم کے سیاسی فسادات ہو گئے کہ حکومت کو مجبوراً کالج اور یونیورسٹیز بند کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔
کس کے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

● بیروت سے شائع ہونے والے رسالہ الحوادث نے اطلاع دی ہے کہ جنوبی یمن اور فلسطینی تحریک آزادی کے درمیان ان دنوں وہی بحران آیا ہوا ہے جو لیبیا اور فلسطینیوں کے درمیان پہلے ہو چکا ہے۔ الحوادث نے لکھا ہے کہ اس بحران کا پس منظر یہ ہے کہ روس کے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ امریکی حکومت اور فلسطینی تحریک آزادی کے ذمہ داروں کے درمیان جو عرصہ سے گفتگو ہو رہی تھی اس میں خاصی پیش رفت ہو چکی ہے۔

● روس سے خبر آئی ہے کہ روسی مسلمان اسلامی ملکوں سے آنے والے ایسے مسلمانوں کی تلاش میں رہتے ہیں جنکے پاس قرآن مجید کا کوئی نسخہ ہو، وہ ہر قیمت پر قرآن حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ سے یہ بھی خبر ملی ہے کہ ایک روسی کسان نے ایک طالب علم کو پیش کش کی کہ اگر وہ ایک نسخہ قرآن مجید کا مہیا کر دے تو اس کے بدلے وہ پورے مہینہ اس کی غذائی ضروریات کی کفالت کے لئے تیار ہے۔

بقیہ صفحہ

اور مادی وسیلوں کے بغیر علماء ہر محاذ پر حملہ آور پوزیشن میں پہونچ چکے ہیں اور اسلام الحاد و اشتراکی فصیلوں کے دروازوں پر فاتحانہ دستک دے رہا ہے اور لادینیت و اشتراکیت کی بڑی بڑی طاقتیں سراسیمہ اور مخبوط الحواس ہو رہی ہیں لیکن افسوس چراغ تلے اندھیرا کا ہے، افسوس ان غیرت و حمیت کے متوالوں اور داعیوں پر ہے جو آج اغیار کی اندھی تقلید اور ان کی غلامی کو اپنی تقدیر سے وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ ع

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
نہیں کتاب سے ممکن تجھے فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

مجاہدین کی کارروائیوں سے

روسی افواج میں بے چینی

(محمود الازہار ندوی)

افغانستان میں روسی افواج کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور نہتے مجاہدین نے کئی اہم شاہراہوں اور مقامات پر قبضہ کر لیا ہے جن میں کابل سے درہ خیبر تک لے جانے والی شاہراہ شامل ہے جس سے روسیوں کے اب حوصلے پست ہوتے جا رہے ہیں نیز مسلمان روسی افواج نے مجاہدین کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا ہے جس سے مزید ابتری کے امکانات بڑھ گئے ہیں، دوسری جانب مجاہدین کے اتحاد کی اپیل پر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی ہے اور اس کے ابتدائی مرحلہ میں کابل بند کی ہڑتال ہے جو سو فیصد کامیاب رہی اور فوج و پولیس کی سپاہیوں کی جانب سے دوکانیں کھلوانے کی تمام کوششیں رائیگاں ہوئیں اور مجاہدین کے دستے کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں انہوں نے غزنی ایر پورٹ پر اترنے والے ۵۰ روسی فوج کو ہلاک کر دیا نیز جلال آباد ان کے محاصرہ میں ہے جہاں ۳ ہزار روسی افواج موجود ہے۔

روسیوں کو افغانستان میں جو جانی و مالی نقصان پہونچ رہا ہے اس سے خود ماسکو کم متاثر نہیں ہے اگر وہاں تحریر کی آزادی ہوتی تو اس سے وہاں کے حالات کا صحیح علم ہوتا۔ اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جب ماسکو کے قریب ایک بستی میں افغانستان میں ہلاک ہونے والے ایک روسی کی لاش پہونچی تو ہنگامہ پر قابو پانے کے لئے ملیشیا طلب کرنی پڑی اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ افغانستان میں روسی افواج کی مداخلت کے المناک نتائج پر روسی عوام میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔

دوسری جانب مسلم وزرائے خارجہ کی اسلام آباد کانفرنس نے روس اور بڑی طاقتوں کو سامنے رکھ کر سخت ترین قرارداد منظور کی اور اس کے لئے مشترکہ دفاعی حکمت عملی کی بات کہی اگر ان ممالک نے اس پر عمل کر لیا تو کسی بھی بڑی طاقت کے لئے ان کا مقابلہ آسان نہ ہوگا اور اس کے بعد ہی سے ان ممالک میں مشترکہ دفاعی حکمت عملی اختیار کرنے پر زور بڑھتا جا رہا ہے، شمالی یمن کے صدر علی عبداللہ صالح نے ان ہی بنیادوں کو سامنے رکھ کر اختلافات ختم کرنے پر زور دیا اور مشترکہ دفاعی حکمت عملی کے لئے مل جل کر کام کرنے کی بات کہی ہے انہوں نے کہا کہ عرب ممالک کو اپنی قومی اور علاقائی دفاع کے لئے افواج پر بھروسہ کرنا ہوگا کیونکہ دنیا کے اس خطہ کو بین الاقوامی رقابتوں کی آماجگاہ بننے سے صرف اسی طرح محفوظ رکھا جا سکے گا اور ایک مشترکہ دفاعی حکمت عملی کے ذریعہ اس علاقہ کی آزادی کی ضمانت مہیا کی جا سکتی ہے۔

ان ہی حالات کی وجہ سے روس کے سربرآوردہ لیڈر جن میں گرومیکو شامل ہیں اسلامی ملکوں کی مداہنت کرنے لگے ہیں، اولاً تو وہ اسلامی ملکوں کی جانب سے پیش کردہ متفقہ مذمت کی قرارداد اور عالمی رائے عامہ کے سخت دباؤ سے مضطرب ہیں اور چونکہ ان مجاہدین کو اسلامی ملکوں ہی کی جانب سے ہر قسم کی امداد مل رہی ہے اس لئے انہوں نے مسلم قوموں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی بات شروع کر دی ہے انہوں نے کہا کہ کمیونسٹ حکومت نے قیام کے بعد ہی سے روس اور ایشیا کے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اب وہ اپنی سرزمین کے مالک ہیں۔

اس کے علاوہ روسی ذمہ داروں نے اپنے مسلم دوستوں سے ایسے بیانات دلوانے شروع کر دئے ہیں جس سے عالم اسلامی کے سوشلسٹ ملکوں کو اپنی اس توسیع پسندانہ پالیسی میں ہمنوا بنا لیں لیکن اب تک روس کو اس میدان میں کامیابی نہیں مل سکی ہے کیونکہ سب کو اپنی کرسی اور برادری عزیز ہے البتہ جس کے پاس یہ چیزیں نہ تھیں انھوں نے روسی مداخلت کی حمایت میں بیان دیدیا ہے اور اس میں فلسطین کی تنظیم آزادی کے لیڈر پیش پیش ہیں۔

فلسطین تنظیم آزادی کے جنرل سکریٹری جارج حباش نے افغانستان میں روسی افواج کی مداخلت پر اطمینان کا اظہار کیا انہوں نے ان خیالات کا اظہار بلغاریہ کے خبر رساں ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا ہے اور کہا کہ سوویت افواج کی موجودگی سے امریکی پلان مسلم باغیوں کے ذریعہ تکمیل نہیں ہو پائے گا۔

اسی قسم کے خیالات کا اظہار فلسطین تنظیم آزادی کے وزیر خارجہ فاروق قدومی نے بھی کیا ہے انہوں نے ایک اخباری بیان میں افغانستان میں سوویت مداخلت کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ سوویت روس نے ایک دوست قوم کی بھرپور مدد کی ہے۔

تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات بھی روس کی مداخلت پر خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور روسیوں کے توسیع پسندانہ عزائم کی حمایت کی انہوں نے کہا کہ روسیوں نے ان کو یقین دلایا ہے کہ افغانستان میں ان کی آمد وقتی ہے اور وہ دنیا کو باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ افغانستان میں روسیوں کی موجودگی بالکل عارضی ہے اور وہ مستقبل قریب میں واپس چلے جائیں گے اور ہم روسیوں سے اسی موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔

فلسطین کے تنظیم آزادی کے ان تینوں قابل ذکر سربراہوں کی جانب سے افغانستان میں روسی مداخلت اور اس کے توسیع پسندانہ کارروائیوں کی حمایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ روس کے قریب ترین حلقے کسی وقت بھی اس سے علاحدہ اور خود مختاری کو برقرار نہیں رکھ سکتے ہیں۔

فلسطینی ذرائع ایک طرف تو روسی جارحیت کی تاویل کر رہے ہیں اور دنیا کو توسیع پسندانہ عزائم کے نقصانات کو مدد اور تعاون کے جذبہ سے تعبیر کر رہے ہیں جب کہ خود روسی مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ تاجک اور ازبک مسلمان فوجیں جو افغانستان پر قبضہ کے وقت بھیجے گئے تھے ان کی جگہ روسی نژاد سپاہیوں کو لایا جا رہا ہے تاکہ جب دیہاتوں اور شہروں میں مجاہدین کے خلاف حملہ کا آغاز ہو تو روسی سپاہیوں کی وفاداری مشکوک و مشتبہ نہ رہے اور مارچ میں برف پگھلنے کی وجہ سے جو سخت معرکہ آرائی کا اندازہ کیا جا رہا ہے اس میں روسیوں کی طاقت پر اثر نہ پڑے اور روسی افواج

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

عوام علماء سے دور کیوں؟

از احمد حسین ندوی

اس سے تو کوئی بھی نہیں انکار کر سکتا کہ جو شئے جتنی اہم، قیمتی اور بامقصد ہوتی ہے، اس کے حصول کے شرائط بھی سوا اور بدل بھی زیادہ ہوتا ہے، بخلاف اس کے ارزاں اور لایعنی اشیاء کے حصول میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی۔

انسانی زندگی قدرت کا ایک عطیہ ہے اور اس کو بھی قیمتی اور بامقصد بنانے کے کچھ قدرتی شرائط ہیں، جن کے بغیر بامقصد زندگی اور صحت مند معاشرہ کا تصور ممکن نہیں۔

عام انسانی فطرت میں جہاں بہت ساری کمزوریاں ہیں، وہاں ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو زیادہ صاحب فہم و شعور اور بالغ نظر تصور کرتا۔ ساتھ ہی اپنی ناقص اور محدود معلومات کی روشنی میں مختلف قسم کے اجتہادی و اجتماعی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے دائرۂ فہم و شعور سے بلند خاصے علم و تدبر کے مقتضی ہوتے ہیں اور ان صورتوں میں صاحب علم اور اہل رائے کی جانب رجوع کرنا ہی مقتضائے عقل و سعادت ہے ورنہ بصورت دیگر ذاتی انانیت اور شخصی رائے سے سماج میں جو افراتفری پھیل سکتی ہے، معاشرے کا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے، اور اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر سکتا ہے وہ بعید از قیاس نہیں یہی وجہ ہے کہ سماجی و اجتماعی زندگی کو لاقانونیت و انارکی سے بچانے کے لئے اس کے اصول و ضوابط مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور کچھ حدود متعین کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کی خلاف ورزی جرم سمجھا جاتا ہے اجتماعی زندگی کا یہ اصول تقریباً ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا رہا ہے خواہ وہ اپنے بنیادی نقص اور اختراعی و خود ساختہ اسباب و علل کی وجہ سے ناکام ہی کیوں نہ رہا ہو۔

لیکن وہ خالق کائنات جس نے انسانوں کو زندگی دی اور جو زندگی میں آنے والے تمام نشیب و فراز سے واقف اور ہر لمحہ پیش آنے والے حالات سے آگاہ ہے اس کے بنائے ہوئے قانون اور بتائے ہوئے اصول پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا اس کا ہر قول سچ اور ہر ضابطہ قیامت تک جاری رہنے والا ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اپنا قانون بلا واسطہ بندوں پر نازل نہیں کر دیا بلکہ اپنے رسول کے واسطے اور ذریعہ سے بندوں تک پہونچایا، تاکہ انسانوں کو انسانوں ہی کی زبان سے سمجھایا جا سکے اور رسول کی عملی زندگی سے اصول و ضوابط کی تفہیم و تشریح کا کام لیا جا سکے اور انکی زندگی عام انسانی زندگی کے لئے معیار و نمونہ ہو، نیز یہ پورے طور پر تصور کر لیا جائے کہ یہ اصول و ضوابط کسی مافوق البشر مخلوق کے لئے نہیں بلکہ انسانوں ہی کے لئے ہیں اور اگر انسان چاہے تو اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھال سکتا ہے ترسیل و تبلیغ کے سلسلہ میں قدرت کا یہ ایسا انوکھا اور نفسیاتی طریقہ تھا جو ساز فطرت سے پورے طور پر ہم آہنگ اور ذہن و قلوب کو اپنی طرف کھینچ لینے والا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ساز کے چھیڑتے ہی شمع رسالت کے گرد جاں نثار پروانوں کی تعداد بڑھنی شروع ہو گئی اور رسول کے ایک اشارے پر لوگ اپنی جان کی بازی لگا دینا عین سعادت سمجھنے لگے اور اپنی زندگی کو رسالت کے رنگ میں اس طرح رنگ لیا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم (یعنی ہمارے صحابی روشن ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے ہدایت ہی پاؤگے۔ رسول کے بعد صحابہ کرام کی زندگی عام انسانوں کے لئے معیار و نمونہ رہی لیکن اس کے بعد بھی سلسلہ ختم نہیں ہوا نعوذ باللہ اگر یہ دین قیامت تک کے لئے نہیں ہوتا یا اس دین میں از سر نو تجدید کی ضرورت ہوتی تو یہ نفسیاتی سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العلماء ورثۃ الانبیاء" یعنی علماء نبی کے وارث ہیں اور نبی کے بعد منصب نبوت کے تمام تر امور علماء کے ذمہ ہیں اور علماء کرام ہی انھیں بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں، اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ علماء کرام نے ہر نازک وقت پر اپنی جان کی بازی لگا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا ہے اور کفر و الحاد کی موجوں سے اسلام کی کشتی کو نہایت دلیرانہ اور چابکدستی سے بچا لیا۔

علماء اسلام کے پر خلوص اور عظیم الشان کارناموں سے دور صحابہ سے لے کر آج تک کی تاریخ پر ہے اور اگر کوئی مورخ ان کے کارناموں کا تفصیلی جائزہ لینا چاہے تو مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ جب فقہ و حدیث کی تدوین و ترتیب کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک ایک حدیث کی تحقیق و جستجو میں علماء کرام کو سیکڑوں میل کا ریگستانی اور تپتا ہوا صحرائی علاقہ اونٹ، خچر پر یا پا پیادہ طے کرنا پڑا ہے جن دشواریوں کا تصور بھی اس دور میں محال ہے جب دور عباسی میں "خلق قرآن" کا فتنہ اٹھا تو اس نے اپنی لپیٹ میں تقریباً پوری سلطنت کو لے لیا اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اب دین حق رخصت ہونے والا ہے اور حکم خدا کی جگہ شاہی فرمان لینے والا ہے لیکن ایسے نازک اور پر آشوب وقت میں بھی جب کہ اہل اللہ اور مخلصین اسلام کا پرسان حال کوئی بھی نہ تھا اور ساری فضا اعتزال و الحاد کے شور سے گونج رہی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے حق کی آواز بلند کی اور اسلام کی خاطر پوری سلطنت سے دشمنی مول لے لی، بادشاہ کے کوڑے کھائے، قید کی شدید مشقتیں برداشت کیں، ہفتوں بے آب و دانہ آہنی زنجیروں میں جکڑے رہے کہ تشنگی کی وجہ سے زبان میں کانٹے پڑ رہے تھے مگر اس حال میں بھی اگر زبان سے کچھ نکلا تو کلمۂ حق ہی نکلا اور پھر حقیقت و صداقت نے اپنا لوہا منوا لیا، اسلام کو غالب آنا تھا اور غالب آیا کیونکہ اسلام قیامت تک زندہ رہے گا اور اس کی حفاظت خود خدا کے ذمہ ہے چنانچہ مغل بادشاہ اکبر اعظم کے زمانے میں بھی اسی طرز کے ایک زبردست الحادی فتنہ نے پوری فضا کو مسموم و تاریک کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی روشنی کا مینار بن کر اٹھے اور انہوں نے اپنی تبحر علمی، اخلاص و للہیت اور ذکاوت و شجاعت سے ماحول کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا جب کہ اسلام یہاں بھی چراغ سحری کے مانند ٹمٹماتا ہوا نظر آ رہا تھا اس طرح کے سیکڑوں واقعات ملیں گے جس میں علماء کرام کے ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں ہیں جو تاریخ اسلام کے علاوہ کوئی بھی تاریخ پیش کرنے کی جسارت نہیں کر سکتی اور اگر علماء اسلام نے یہ قربانیاں نہ پیش کی ہوتیں اور یہ مجاہدے نہ کئے ہوتے تو شاید آج ہم اپنے نام کے ساتھ مسلمان ہونے کے تصور سے بھی لرزتے اور خوف کھاتے۔ علماء اسلام کے یہ کارنامے صرف دینی امور ہی میں نہیں محدود رہے بلکہ زبان و ادب کی نشو و نما اور ترقی میں بھی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں یہ زبان اردو جس میں تاریخ و تہذیب اور اسلامیات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے اور جس کی شیرینی پر برصغیر کے مسلمانوں کو ناز ہے اس کے بھی عناصر خمسہ اور بنیادی معزین و اراکین جس میں سرفہرست مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی عبد الحق ہیں یہ سب کے سب عالم دین تھے۔ علماء اسلام کے ہاتھ میں جب بھی ملت کی قیادت کی باگ ڈور آئی ہے انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں قیادت کی شاندار نظیر پیش کی ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے بھی مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے مگر افسوس کہ آج مسلم عوام کا ایک بڑا طبقہ علماء کی جانب سے متنفر اور سوء ظن میں مبتلا ہے اور انھیں زندگی کے ہر شعبے کی رہنمائی کا اہل نہیں سمجھتا بلکہ صرف خالص دینی امور میں علماء کی رائے کسی درجہ مستند سمجھی جاتی ہے اور یہ بنیادی طور پر ان کی دینی وابستگی اور مذہبی تعلق کی بنا پر ہے، جبکہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کی آفاقیت ہر شعبۂ حیات پر محیط ہے اور اس نے زندگی کا کوئی بھی گوشہ تشنہ و نامکمل نہیں چھوڑا ہے جیسا کہ خود اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں نچھاور کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا)، ایک طرف تو ہمارا ایمان پر

ایمان واعتماد کا دعویٰ اور دوسری طرف قانون الٰہی کے محافظ ونگراں اور رسول ہادی کے وارث وخلیفہ سے اس قدر تنفر وبیزاری کا جذبہ کیا بیک وقت یہ دو متضاد روشیں ہمارے ایمان کی پختگی کی دلیل ہیں؟ کیا اس جذبہ کا محرک اصلی کوئی خارجی سبب نہیں؟ کیا اس کے پیچھے وہ ذہن کام نہیں کر رہا ہوتا ہے جو دین ودنیا کے لئے الگ الگ نقطۂ نظر رکھتا ہو؟ یہاں صورت اگر ہم اپنی دینی اور سیاسی زندگی کی تقسیم کریں اور سیاسی شعبۂ حیات سے متعلق ایسے رہنماؤں اور قائدوں کا انتخاب کریں جو دین سے نا آشنا ہوں جن کا ذہن غیر دینی معاشرہ میں پروان چڑھا ہو، اور لادینی مکتب علم وفکر میں نشوونما پایا ہو تو کیا وہ ہماری قیادت کما حقہ شرعی حدود میں کر سکتے ہیں کیا وہ ہمارے مذہبی حقوق کا پورے طور پر احترام کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دین ودنیا کی تقسیم اور اس کے لئے الگ الگ ڈگر متعین کرنا ایسا مہلک تصور ہے جو انسانی زندگی میں لادینیت اور انارکی وجنگجوئی کا زہر گھولے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ جھوٹ بولنا اگر مسجدوں اور خانقاہوں میں جرم ہے تو دوکانوں اور سیاسی تقریروں میں بھی جرم ہے، رشوت خوری اور شراب نوشی اگر عام مسلمانوں کے لئے حرام ہے تو سیاسی لیڈروں اور ارباب اقتدار کے لئے بھی حرام ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اکرمؐ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوتا تھا جو رسول سے زیادہ قریب اور تعلیمات اسلام کا سب سے بڑا داعی ومبلغ ہو اور اسمیں خشیت وتقویٰ اور زہد وورع بدرجۂ اتم موجود ہوں اس کے ساتھ ہی اگر اسمیں سیاسی سوجھ بوجھ، فکر وبصیرت اور تدبر وخود آگاہی بھی ہو تو افضلیت اور بھی مسلّم سمجھی جاتی تھی جب کہ آج معاملہ اسکے بالکل برعکس ہے اور آج کے معیار سیاست کی کسوٹی پر وہی لوگ پورے اترتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ سے زمام قیادت چھیننے میں یورپ کی منصوبہ بند سازش اور باقاعدہ مہم کا زبردست ہاتھ ہے جس نے ۱۸۵۷ء کے بعد سے خاص طور پر برصغیر میں مسلمانوں کے دلوں سے علماء اسلام کا اعتماد اٹھا دیا اور انھیں ہر اعتبار سے کم فہم، تنگ نظر، ناعاقبت اندیش اور بے بضاعت ثابت کرنے کی کوشش کی تاکہ اسلام کی کشتی کا پتوار ہی ناخدا کے ہاتھ سے چھن جائے اور انھیں محدود نظریاتی حقوق دیکر سیاسی نہج سے وہ ہر شعبۂ حیات میں مسلمانوں پر حکمرانی کر سکیں اور اس طرح اسلام مسجدوں اور خانقاہوں میں محدود ہو کر رہ جائے اور ان کی یہ چال کامیاب بھی ہو گئی اس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ بھی تھی کہ فاتح قوم کی ہر ادا مفتوح قوم کے دل کو بھاتی ہے اور اسمیں جاذبیت ودلکشی محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کے رنگ میں رنگ جاتی اور اس کی تقلید کرنے میں شرف وافتخار محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ جس طرح تہذیب وتمدن اور رہن سہن میں یہاں کے عوام نے آہستہ آہستہ انگریزوں کی تقلید کرنی شروع کی اسی طرح انکے ہر قول پر آمنا وصدقنا کہتے چلے گئے، جس کا لازمی نتیجہ مذہبی بیزاری اور باہمی بُعد وتنفر کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ علماء کے باہمی اختلاف سے بھی مسلم معاشرہ پر غلط اثر پڑا اور عوام میں ایک ہیجانی کیفیت پائی جانے لگی لیکن ان میں سے بعض تو ایسے نظریاتی اختلافات ہیں جو باعث نزاع وتنفر نہیں بلکہ خالص علمی، اکتشافاتی اور اجتہادی ہیں جس نے وحی ربانی اور احادیث نبویؐ کی تفہیم وتشریح میں مزید سہولت پیدا کر دی ہے۔ اور علمی گہرائی وعمق اور کمال واختصاص کا وسیلہ ہیں اور یہ سلسلہ نیا نہیں بلکہ ائمہ فقہ کے ابتدائی زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور علمی توسیع واضافہ کا ذریعہ بنتا رہا ہے جیسا کہ خود حضورؐ نے فرمایا "اختلاف امتی رحمۃ" یعنی ہماری امت میں (علمی واجتہادی) اختلاف رحمت ہے لیکن افسوس کہ جہالت ونادانستگی کی بنیاد پر علماء کے ان اختلافات کو بھی باہمی نزاع وتفرقہ سمجھ لیا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علماء کی شان میں بے باکانہ طور پر ناشائستہ اور گستاخانہ کلمات کا استعمال کیا جاتا ہے اور معمولی سے معمولی انسان بھی علماء پر نکتہ چینی کرنے میں کوئی جھجک اور باک محسوس نہیں کرتا بلکہ علماء پر طنز اور ان کو برا بھلا کہنا فیشن میں داخل ہو گیا ہے، اور یہ اخلاقی گراوٹ، خود فراموشی اور خود فریبی کے وہ آثار ہیں جو جہالت کے سیاہ پردہ کے پڑے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتے یا محسوس نہیں ہوتے، اسی لئے حضورؐ نے فرمایا، "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ" یعنی (علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے) تاکہ وہ حقائق حال اور مقاصد زندگی کو سمجھ سکیں اور اغیار کی سازش وفریب ان پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی میں حق کی جستجو، علم نافع کی طلب اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ پیدا نہ ہو، اور وہ قوانین الٰہی کی خلاف ورزی کرے اور جرم کا ارتکاب کر جائے اور پھر اپنی لاعلمی کا عذر پیش کرے تو اس کا عذر قابل قبول نہ ہوگا کیونکہ احکام الٰہی کے علم کا حصول اس پر فرض تھا اور اس کو خود اس کی فکر ہونی چاہئے تھی جس طرح مدارس اور کالجوں کے ضابطے یا کوئی اعلان طالب علموں کے گھر گھر نہیں پہونچائے جاتے بلکہ "نوٹس بورڈ" پر آویزاں کر دیا جاتا ہے اور بحیثیت طالب علم کے ہر طالب علم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خود آکر معلوم کرے اب اگر کوئی طالب علم امتحان ختم ہونے پر آکر یہ عذر پیش کرے کہ اسے امتحان کی تاریخ معلوم نہیں تھی تو اس کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا، اور نہ ہی اسے امتحان میں کامیاب سمجھا جائے گا یا اگر کوئی قاتل جج کے سامنے یہ کہے کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ قتل جرم ہے تو اس کی بات نہایت مضحکہ خیز سمجھی جائے گی اور اسے سزا دی جائے گی۔ یہ تو دنیاوی سزا اور معمولی ناکامی کی بات تھی اس کے مقابلے میں عاقبت کی سزا اور قہر خداوندی ہزار درجے بڑھ کر ہے جس کے تذکرہ ہی سے خوف وخشیت طاری ہو جاتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے بارے میں اگر کوئی شخص تسامح اور غفلت سے کام لے اور پھر اپنی لاعلمی کا اظہار کرے تو کیا اس کا عذر قابل قبول سمجھ لیا جائے گا؟ اگر ایک طرف مسلمانوں کی اکثریت علم دین سے بڑی حد تک محروم ونا آشنا اور اس فریضہ سے غافل ہو، اور دوسری طرف علماء اور داعی اسلام کی حوصلہ افزائی اور ان سے تعلق کی بجائے تنفر وگریز کا معاملہ اختیار کیا جائے تو یہ قومی المیہ اور حسرت وافسوس کا دردناک موقع نہ ہوگا؟ افسوس کہ آج جھوٹی سیاست اور بے ضمیر صحافت اپنی ظاہری دلفریبیوں اور مادی سہولتوں کی وجہ سے جس طرف چاہتی ہے عوام کا رخ پھیر دیتی ہے اور انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جس ڈگر پہ قدم رکھ رہے ہیں اس کی منزل کیا ہے۔

اس سلسلے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم وتربیت کا بھی جائزہ لیں اور ایسے افراد تیار کریں جو دین ودنیا کی جامعیت واہلیت کے صحیح آئینہ دار ہوں۔ جن کی قیادت میں قومی فلاح ونجات مضمر ہو جو صحافت وسیاست میں صحیح نقطۂ نظر پیش کر سکتے ہوں اور حالات حاضرہ پر ایسی گہری نظر رکھتے ہوں کہ خارجی اسباب، جھوٹی اشتعال انگیزی، سیاسی نعرہ بازی اور بے ضمیر صحافت ان پر اثر انداز نہ ہو سکے اور حق وباطل میں صحیح تفریق کر سکیں اگر معاشرہ کے سدھار اور اخروی کامیابی کی خاطر مسلم عوام خاطر خواہ توجہ کریں تو کوئی چیز مانع نہیں کہ علماء قومی اور ذہنی قیادت کے اہل نہ سمجھے جائیں ہاں یہ ضرور ہے کہ علماء میں بعض اختلافات ایسے ہیں جن سے باہمی بدگمانیوں کی دیوار حائل ہے، اور جن کا ختم ہو جانا بہرحال بہتر ہے لیکن اس موقع پر بھی حقائق سے قطعی گریز، بزرگوں پر رہزنی کا قیاس اور اپنوں سے بیگانگی کی روش مناسب نہیں بلکہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے تحت اچھائیوں کو اختیار کر لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا اور خرابیوں کو نظر انداز کر دینا عین دانشمندی ہے۔ نفسانیت اور جرم کی عادی طبیعت اس موقع کو اپنی من مانی کا بہانہ بنا لیتی ہے اور اپنے آپ کو تسلی بھی دے لیتی ہے حالانکہ ان موقعوں پر بھی تحری اور جستجوئے حق لازم ومقتضائے ایمان ہے اور یوں بھی علماء حق اور علماء سوء کی علامتیں احادیث میں بتلا دی گئی ہیں اب اگر کوئی خواہ مخواہ ہی تسامح اور گریز کی صورت اختیار کرے تو خدا اس کی نیت کو زیادہ جاننے والا ہے۔ علماء حق کا ایک طبقہ شروع سے ہے اور قیامت تک رہے گا۔ تبلیغ اسلام اور احیاء وتجدید کا کام آج بھی ہو رہا ہے اور علماء حق کا خون اور ان کی قربانی آج بھی رنگ لا رہی ہے خواہ وہ مصر میں "اخوان المسلمین" کے علماء ہوں یا افغانستان میں "مذہبی جنگ آزادی" کے علماء آج سے تقریباً پچاس سال پہلے علماء کی پوزیشن مفتوح ومغلوب کی تھی لیکن آج ظاہری

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

(آخری قسط)

بخارا سے کابل تک اشتراکی یلغار

عالم اسلام کے لئے

موت وزیست کا نیا تاریخی سائرن

ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی، ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ

اشتراکی روس نے اسلام کی بیخ کنی کس طرح مکمل کی؟ وہ نوجوان نسل کے لئے درس عبرت ضرور ہے! ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد زار کا تختہ الٹ گیا لیکن ساتھ ہی اوسط ایشیا سے اسلام کا تختہ بھی الٹ دیا گیا۔ سرزمین روس اشتراکی انقلاب کو قدم جمانے میں تقریباً دس سال لگے۔ جب کمیونسٹ پارٹی اور حکومت کے قدم جم گئے، تو اسلام اور مسلمانوں کو وسط ایشیا سے مٹانے کی مہم شروع ہوئی ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۹ء تک بلاواسطہ INDIRECT سیاسی دینی سماجی، معاشی اور ادبی انقلاب کے نام پر مسلمانوں کے مذہبی اداروں کو کمزور کیا گیا۔ دو تحریکیں ساتھ ساتھ شروع ہوئیں۔ عوام کو دین سے دور ہٹانے کے لئے علماء پر حملے شروع ہوئے کیونکہ دینی قیادت انھیں کے ہاتھوں میں تھی۔ ان کے وقار کو ختم کر کے علماء کو عوامی نظروں سے گرایا گیا۔ نوجوان مسلم ذہنوں سے دین، عقائد اور اسلامی تصورات کو محو کرانے کے لئے انھیں کلب، رقص خانوں میں شرکت پر مجبور کیا گیا۔ مسلم خواتین کو آزادیٔ نسواں کے نام پر ان کلبوں میں آنے پر مجبور کیا گیا۔

اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے، انکی تفصیلات کے لئے جوشوا کونٹز (JOSHUA KUNITZ) کی کتاب ڈان اوور سمرقند (BAWNOVER-SAMARKAND) مطبوعہ نیویارک ۱۹۳۵ء کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ بیخ کنی کے لئے سب سے پہلے وحدت اسلامی کو ختم کرنیکی تحریک چلائی گئی، اور ثقافتی آزادی کے نام پر ایک مسلم قبیلہ کو دوسرے کے خلاف صف آرا کیا گیا۔ تاجکی، ازبک، ترکمان، قزاق وغیرہ قبائل کو باہم متصادم کرانے کی سعی کی گئی (نفس مرجع ص ۱۵۳-۱۵۴) زراعتی تبدیلیوں کے ذریعہ مسلم معاشی قوت توڑ دی گئی (ص ۱۶۶-۱۶۷) عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط کا جبریہ نفاذ کر کے سارے اسلامی وسط ایشیا کو اسلامی برادری سے کاٹ دیا گیا۔ عربی اور فارسی میں دستیاب اسلامی میراث نئی نسلوں کے لئے اجنبی ہو گئی (نفس مرجع صفحہ ۲۹) مسلم مڈل کلاس میں اشتراکی شعور پیدا کیا گیا۔ اس طرح ۱۹۲۳ء تک مسلم کسانوں اور غرباء کی جو جماعت وجود میں آئی اس کا مشغلہ اب اسلام اور بیز (BEYS) پر حملہ کرنا قرار پایا۔ (صفحہ ۱۴۴) عوام کی دینی زندگی کے محافظ علماء اور دیگر مذہبی قائدین پر سنگین حملے کئے گئے۔ لاتعداد علماء قتل کئے گئے، کچھ علماء جان بچا کر بھاگے۔ اس طرح صدیوں کی مذہبی قیادت کو ہفتوں میں ختم کر دیا گیا۔ اسلامی قیادت کی جگہ بولشوزم (BOLSHEVISM) کی قیادت نے لے لی۔ (نفس مرجع ص ۱۷۹-۱۸۱) اشتراکی اور خالص مادی نظریات کی اشاعت کے لئے گاؤں گاؤں قہوہ خانے کھولے گئے، جو بتدریج اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے مراکز میں تبدیل کر دئے گئے۔ ان قہوہ خانوں کی دیواروں پر علماء کے خلاف توہین آمیز اشتہارات لاتینی زبانوں میں لگائے گئے (صفحہ ۲۵) زنانہ کلب میں عورتوں کو آنے پر مجبور کیا گیا (صفحہ ۲۸۴) ان عورتوں کو بتدریج لادینیت کا مبلغ بنا دیا گیا۔ ہر جگہ پردہ ناس ہو، ملا ناس ہو، حکومت روس زندہ باد کے نعرے اور اشتہارات لگائے جانے لگے (صفحہ ۲۷) دانستہ طور پر آزادیٔ نسواں کی تحریک اس طرح چلائی گئی کہ اس سیلاب نے اخلاقیات کے تمام بند توڑ دیئے۔ بعد میں حساس عورتوں نے اس کا اعتراف بھی کیا (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو نفس مرجع صفحات ۲۸۶-۲۸۷ نیز ۲۸۸)۔

۱۹۲۹ء کے بعد اسلامی بیخ کنی کی زوردار تحریک چلائی گئی۔ اب تک مسلمان مساجد میں جا رہے تھے (صفحہ ۲۵۴) ۱۹۲۹ء کے بعد حکومت نے مساجد کے داخلہ پر پرمٹ (PERMIT) لگا دیا۔ ۱۹۳۰-۳۱ء میں کوکنڈ (KOKAND) کے دس مسلم کسانوں کو جماعت کی رکنیت سے صرف اس جرم میں محروم کر دیا گیا کہ وہ ہنوز مساجد میں جا رہے تھے۔ بعض مسلم جماعتیں توڑ دی گئیں یا غیر قانونی قرار دیدی گئیں۔ اس لئے کہ وہ مساجد میں جا کر عبادات کرنے پر مُصر تھیں بخارا کے اضلاع میں افسروں نے اعلان کر دیا کہ جنازے کو دفن کرنے کے بجائے جلانا لازمی ہے۔ (صفحہ ۱۹۲)

۱۹۲۹ء میں ہی حکومت کی جانب سے تاشقند غداری نام کا معروف مقدمہ (TASKEND TREASON TRAILS) مسلمانوں کے خلاف چلایا گیا اور بے بنیاد الزامات پر ثبوت کے بغیر سزا دی گئی۔ مقدمہ کی رپورٹ سے حکومت کو یہ اندازہ ہو گیا کہ پان اسلامزم کی تحریک وسط ایشیاء میں ہنوز طاقتور تھی۔ مسلمانوں کو گیلوز (GALLOWS) میں بھیج دیا گیا۔ کچھ جیل گئے، کچھ ٹیکس کا شکار ہوئے۔ قتل اور سزا تو عام تھی (صفحہ ۱۳۳) اس معروف مقدمہ کا عظیم مقصد محض علماء کو ختم کر کے عوام کو دینی قیادت سے محروم کرنا تھا، تاکہ وہ اشتراکی نظام پر ایمان لا سکیں۔

قرآن وسنت پر بھی حملے شروع ہوئے اور مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی گئی۔ ۱۹۲۹ء تک شادی، طلاق وخلع شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوتے رہے۔ اب اسے سرکاری طور پر غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ عوام کے سامنے شریعت کی مسخ شدہ تعریف پیش کی گئی۔ اشتراکی اقتدار کی نظر میں شریعت اسلامیہ کی حیثیت رسوا کن مضحکہ خیز تھی۔ شریعت کی تعریف یوں کی گئی کہ یہ سیاسی اور معاشی غلامی عورتوں اور مزدوروں کی غلامی کثرت ازدواج یا عیاشی نیز استعماریت کے بقاء کا ایک ناقابل برداشت نظام تھا۔ روس میں شریعت اسلامیہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ۱۹۴۰ء کے سیاسی لغت (THE-SOVIET POLITICAL DICTIONARY 1940) میں شریعت کی سرکاری تعریف یوں کی گئی۔

.... THE SHARIAT IS A MEANS FOR KEEPING THE WORKERS IN ECONOMIC AND POLITICAL SUBORDINATION BY THE RICH IT LEAGALIZED DOMINATION. EXPLOITATION AND SLAVERY OF THE WORKERS, THE ENSLAVEMENT OF WOMEN, AND POLYGAMY... THE SHARIAT IS STILL APPLIED AMONG MUSLIMS IN CAPITALISTS AND COLONIAL COUNTRIES. IN THE USSR NOW THE SHARIAT IS ERADICATED.

مسلمانوں کے خلاف دوسرا معروف مقدمہ پرج ٹرائیل (PURGE-TRAIL) کے نام سے ۱۹۳۶ء تک چلتا رہا۔ اسکے ذریعے علماء اور مسلم ذہن والے عوام کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ مساجد کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس غرض سے پہلے مساجد کے اوقاف ختم کئے گئے اور مساجد کو اسکولوں میں تبدیل کر دیا گیا (صفحہ ۲۵) زار روس کے دور میں ۱۹۰۷ء کے سنسس کے مطابق روس اور مشرقی یورپ میں سات ہزار مسجدیں آباد تھیں۔ صرف روس میں ۱۵ ہزار مسجدیں تھیں۔ ۱۹۴۲ء میں روسی حربی اخبار (SOVIET WAR NEWS) مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۴۲ء میں مساجد کی مجموعی تعداد ۱۳۱۲ تیرہ سو بارہ بتائی گئی۔ یعنی چودہ ہزار مسجدیں یا تو مسمار کی گئیں یا کلب اور میوزیم میں اس طرح تبدیل کی گئیں کہ ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ مساجد کے ساتھ دیگر مذہبی ادارے خصوصاً مدارس اور جامعات یا مسلم تعلیمی ادارے بھی غیر قانونی قرار دے دئے گئے۔ آٹھ ہزار اسلامی مدارس ومکاتب میں ایک بھی باقی نہ رہا۔ یہ مذہبی ادارے گودام گھر، تھیٹر اور کلب میں تبدیل کر دئے گئے۔ ریگستان کا معروف اسلامی ادارہ دینیات (ISLAMIC THEOLOGICAL SEMINAR OF REGISTAN) جو تیمور کے پوتے کا تعمیر کردہ تھا، میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا۔ سٹبری نے اپنی تالیف ←

روس، شاہراہ ترقی پر، میں بہت سے واقعات درج کئے ہیں۔

دینی تعلیم کو غیر قانونی قرار دیدیا گیا، ان کی جگہ مارکسی نظریہ کو دین قرار دیا گیا۔ شعبہ تعلیم پر حکومت کا مکمل قبضہ ہو گیا اور نصابی کتب میں اشتراکی نظریہ کی تعلیم دی جانے لگی۔ حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کو سب سے زیادہ خطرہ علماء سے تھا۔ ان کے خاتمہ کے بعد دونوں مطمئن ہو گئے۔ اشتراکی تربیت کے بعد اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا (صفحہ ۲۳۷) بچوں کو مذہبی تعلیم دینا جرم قرار دیا گیا۔ نابالغ اور کم سن بچوں کو مذہبی تعلیم دینا روسی دستور کے خلاف ارتکاب جرم قرار دیا گیا۔

کتاب 'روس پر تبصرے'

(COMMENTARIES ON THE RSFSR)

جسے تین اسکالرز، ٹرینن (TRAININ) منشاگن (MENSHAGIN) اور وشن اسکائی VYSHINSKY نے مرتب کیا ہے اور جس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء میں منظر عام پر آیا ہے اس سلسلہ میں قابل مطالعہ ہے۔ مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں (ص ۱۶۷-۱۶۸) حسب ذیل تبصرہ قابل ملاحظہ ہے۔

INSTRUCTION IN ANY TYPE OF RELIGIOUS DOCTRINE GIVEN IN SCOOLS TO MINORS A UNDER-AGED IS ONE OF THE FORMS OF INFRINGEMENT OF THE FREEDOM OF CONSCIENCE GRANTED BY THE USSR CONSTITUTION.

(PP 167-168)

مسلم وسط ایشیا میں اب نہ اسلامی درس گاہیں رہیں نہ اسلامی معلمین رہے۔ تمام ادارے الحاد کی تعلیم و تربیت کے مراکز بن گئے۔ (جوشو الفس مرجع صفحہ ۲۳۷)

THE OLD MUSLIM SCHOOLS HAVE PASSED INTO OBLIVION. GONE TOO, IS THE OLD TYPE OF TEACHER THE MULLAH OR THE STUDENT OF MUSLIM RELIGIOUS ACADEMIES. THE SCHOOLS ARE MODERN, THE SUBJECTS ARE MODERN AND TEACHERS ARE MODERN. (P 237)

جدید نظام تعلیم کے بعد جو نسل اٹھی وہ دین اسلام، نماز، روزہ کا مذاق اڑانے لگی۔ شعراء اور ادباء اسلام کا عبرت ناک انداز میں مذاق اڑانے لگے۔ ایک جدید تاجکی شاعر منور شو یا شاہ (MUNAVVAR SHOI - SHO) قرآن اور اسلام اور علماء کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے مسلم استاذ پر یوں طعنہ زن نظر آتا ہے۔

"استاذ دیرینہ۔ مجھے تیری نصیحتیں ہنوز یاد ہیں تو نے کہا تھا قرآن ابدی و ازلی ہے۔ مساجد ہمیشہ معمور رہنے والے روحانی مراکز ہیں۔ اسلام ازلی مذہب ہے۔ ہائے ملائے دیرینہ تیری پیش گوئیاں کہاں گئیں۔ ہائے استاد ملا، تیرے بول مجھے یاد ہیں تیری یاد بھی میرے لیے اب سوہان روح ہے۔"

(نفس مرجع صفحہ ۴۰)

اشعار کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

YEARS HAVE PASSED! I REMEMBER YOUR WORDS O TEACHER.

YOU SAID, THE WORDS OF THE QURAN ARE ETERNAL, YOU SAID, THE MOSQUES WILL NEVER BE EMPTY, ISLAM SHALL REIGN ETERNAL.

HARDLY.

MULLA TEACHER WHERE ARE YOU PROPHECIES?

THE THOUGHT ON YOU MAKES WE TIRED...

اسی طرح ازبکستان کے ایک کسان شاعر نے لینن کی مدح میں یہاں تک کہا کہ دنیا میں لینن سے بڑا انسان پیدا نہیں ہوا (نفس مرجع صفحہ ۴۱)

اشعار کے نمونے ملاحظہ ہوں:

THE GREATEST OF GOOD DEEDS WAS DONE BY LENIN.

TH URN OF VIRTUES, HE WHO FREED THE EARTH.

LENIN'S EQUALIN MIND AND HEART.

EARTH HAS NOT YET BEGOTTEN. (P. 41)

(PIAR - SULAIMANI) پیار سلیمانی نامی شاعر نے رزمیہ اشعار میں خدا اور رسول کا جس طرح مذاق اڑایا ملاحظہ ہو:-

THERE IS NO PLACE HERE ANY MORE. FOR EMIRS OR BEYS OR MULLAS WE NEED NOT GOD AND NO SERVANT OF HIS FROM THIS OR OTHER LAND

(P. 53)

ایک تاجکی شاعر لاہوتی (LAHUTI) کے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں ارکان اسلام یعنی نماز اور روزہ کا مذاق اڑایا گیا ہے، اور اسے غلامانہ ماضی کی یادگار قرار دیا گیا ہے۔ شاعر کے خیال میں روزہ اس دور کی یادگار ہے۔ جب کابل لوگ گھر اور کھیت میں کام چھوڑ کر سارا دن مساجد میں سجدہ ریزی کیا کرتے تھے۔ اب وہ دن بیت گئے۔ (نفس مرجع صفحہ ۳۳۳-۳۴)

TO-DAY WE HAVE A MUSLIM HOLIDAY, ROZA, WE CALL IT HERE.

AND WHAT A HOLIDAY, IT WAS IN THE PAST! DESERTED THE HOMES, DESRTED THE FIELDS, CROWDS KNEELING ALL DAY IN THE MOSQUES? BUT NOW WHO HAS TIME TO THINK OF ROZA? WHO HAS TIME FOR THIS NONSENSE OF THE SLAVISH PAST.

(PP 333-34)

اشتراکی شرق اوسط اور اشتراکی روس سے اسلام کی بیخ کنی کا تقابل مطالعہ

اسلام کی بیخ کنی کے اس پس منظر کا تقابل مطالعہ ہی قاری کو یقین دلا سکتا ہے کہ گذشتہ چند عشرات میں مسلم شرق اوسط میں اشتراکی تحریک کا نفوذ کس طرح ہوا اور اسلامی تحریکات کی بیخ کنی (الاخوان المسلمون) کس طرح پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ درست ہے

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

نمبر ۱۵۵ حاجی بلڈنگ ایس وی ڈی پیلا روڈ

ٹل باز اربمبئی نمبر ۳

اسپیشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ٹوئل مکسچر	فلاوری او پی

TELEGRAM:- CUP. KATTLY

PHONE No 332220

نئی صدی ہجری کا پیغام

امت مسلمہ کے نام

(تلخیص و ترجمہ) محمد اسعد قاسمی بستوی مدرسہ امدادیہ مراد آباد

(حمد و صلوٰۃ کے بعد)

اے اللہ کے بندو! لیل و نہار اور ماہ و سال بڑی سرعت اور تیزی سے گردش کر رہے ہیں۔ گھڑی سے دن اور دن سے سال، سال سے زندگی کے آخری سانس تک کا سفر تیزی سے طے ہو رہا ہے۔ ایک سال قبل ہم نے ایک سال نو کا استقبال کیا تھا اور دیکھتے دیکھتے وہ سال گذر گیا دوبارہ پھر ابھی چند دنوں پہلے ہم نے سال گذشتہ کو اس کی کارگذاریوں اور انقلابات سمیت الوداع کہا۔ سال گذشتہ ہمارے موافق تھا کہ مخالف۔ اب ہم دوبارہ ایک نئے سال کا استقبال کر رہے ہیں ہم سب کی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ سال نو کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے خیر و برکت، نصرت و عزت کا سال بنائے۔ (آمین)

یہ سال نو چودھویں صدی کا آخری سال ہے۔ سن ہجری کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ اور اپنے خاندان اور قبیلہ کو خیرباد کہہ کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی یہ تاریخ ساز ہجرت کسی بادشاہت وسلطنت، مال و دولت اور اقتدار کے حصول کے لئے نہ تھی بلکہ اس ہجرت کا مقصد صرف کلمۂ توحید کو بلند کرنا اور اپنے خالق و مالک کے پیغام کی نشر و اشاعت تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے ہجرت فرما کر پیغام رسالت لوگوں تک پہونچایا اور اس مقدس امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا، اور اللہ کے راستے میں آپؐ نے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں پھر دنیا نے دیکھا کہ چمنستان عالم میں بہار آگئی اور ہر طرف لا الٰہ الا اللہ کی صدا گونجی اور تمام دنیا میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور دین اسلام کے سامنے تمام ادیان سرنگوں ہو گئے۔

ہجرت نبوی کا تاریخی واقعہ ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اسی واقعہ سے اللہ کے راستہ میں مشکلات، دشواریوں اور مشقتوں کو جھیلنے کے سوا انکساری، انانیت سے دوری، صبر و تحمل اور احکام خداوندی کی اطاعت و فرمانبرداری اور منہیات شرعیہ سے اجتناب اور اخلاص و للّٰہیت کا سبق بھی ملتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ نے ان مصائب و آلام کے طوفانوں کی قطعاً پرواہ نہ کی اور اللہ کے حکم و رضامندی کو ہر چیز پر ترجیح دی۔

ہجرت نبویؐ کے سن ہجری کا استقبال کرتے ہوئے خوشیاں منانے اور نعرہ بلند کرنے کا ہمیں اور آپ کو کیا حق پہونچتا ہے؟ ہم لوگ کس بات پر خوشیاں منا رہے ہیں؟ کیا ہم نے گناہ و معصیت کو چھوڑ کر خدا کی اطاعت کی طرف ہجرت کر لی؟ کیا ہم نفس کی ناجائز خواہشات و لذات سے دست بردار ہو گئے؟ کیا ہم لوگوں نے خداوند کریم کے تمام احکامات کو اپنا لیا؟ کیا ہم نے خداوند قدوس کے ہر حکم پر لبیک کہا؟ کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کے تمام نواہی سے مکمل اجتناب کرنا اپنا شعار بنا لیا؟

— آپ لوگ دائمی اور لازوال ہجرت میں ہیں اور اللہ کے فضل سے امن و امان اور خوشحالی میں ہیں لیکن آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ لوگ نفس کی ناجائز خواہشات و لذات کو ترک کر کے خداوند قدوس کی حلال و پاکیزہ لذتوں سے لطف اندوز ہوں اور گناہ و شر کو چھوڑ کر اطاعت و فرمانبرداری اور بھلائی کی راہ کو اپنائیں جبھی آپ سچے مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

بقیہ صفحہ ۱۳

کہ اشتراکی روس نے زار روس کی طرح شرق اوسط میں جغرافیائی فتوحات حاصل نہیں کیں لیکن اس نے شرق اوسط کے اسلامی ذہن پر فتح حاصل کر لی جس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ دنیا کے سب سے قدیم اور اہم اسلامی درس گاہ الازھر کے پرچہ مجلۃ الازھر" کے جون سنہ ۱۹۶۳ء مطابق محرم سنہ ۱۳۸۳ھ کے شمارے میں احمد حسن الزیات نے اعلان کر دیا کہ،

" محمدؐ کی لائی ہوئی دعوت وحدت من حیث مجموعی زیادہ عام تھی کیوں کہ اس کا دارومدار عقیدہ پر تھا۔ لیکن عقیدہ خواہ کسی قدر طویل مدت تک قائم رہے آخر ضعف اور کمزوری اس کا مقدر ہے۔ صلاح الدین ایوبی کی دعوت وحدت بھی جزئی اور عارضی تھی اس لئے کہ اس کا انحصار سلطانیت پر تھا۔ اس کا انجام بھی ضعف و زوال ہوا اس کے برخلاف جمال ناصر کی لائی ہوئی دعوت وحدت ابدی ہے اور نامیاتی بھی کیونکہ اس دعوت کا محور ایک لازوال مثلث ہے یعنی (۱) معاشی دائرہ میں سوشلزم کا نفاذ (۲) عوامی زندگی میں آزادی رائے کی کثرت اور (۳) سیاسی دائرے میں جمہوری طرز حکومت کا قیام یہی تین ستون پائیدار ہیں اور وحدت کی ضمانت کے لئے کافی ہیں۔۔۔۔"

(مجلہ ازہر جون سنہ ۱۹۶۳ء)

تفصیلات کے لئے صفحہ ۱۴۵ تک ملاحظہ ہو)

اصل عربی متن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اشتراکی شرق اوسط کے سب سے طاقتور ملک مصر میں یہ اعلان نامہ ہوا۔ اسی طرح دوسرے نامور اشتراکی ملک شام میں ابراہیم خلاص نے شام کے مجلہ جیش الشعب مورخہ ۲۵ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء کو الانسان العربی الجدید کے زیر عنوان ایک مقالہ میں اعلان کر دیا کہ عربوں نے اللہ سے نصرت طلب کی۔ دیگر مذاہب اور ادیان کا مطالعہ کیا سرمایہ دارانہ نظام کو پرکھا۔ کسی سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ فائدہ صرف اشتراکیت سے ہوا اور اب تمام سابقہ اقدار عرب کے لئے تاریخ کی ممی کی ہوئی لاشیں ہیں۔ (وکل القیم التی سادت المجتمع السابق لیست الا دمی محنطۃ فی متاحف التاریخ۔ (المسلمون وقضیۃ الفلسطین۔ از ابوالحسن علی الحسنی الندوی۔ بیروت ۱۹۷۱ صفحہ ۶۲)

عرب اب جو انسان اپنے ہاں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ مابعد موت کسی حقیقت پر ایمان نہیں رکھے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ موت کے بعد اب کچھ نہیں۔ نہ جنت ہے نہ دوزخ بلکہ انسان ایک ذرہ زمین کی طرح گردش کرتا رہے گا (لانہ یعلم نہایۃ المحتمیۃ "الموت" ولیس غیر الموت، لن یکون ھناک نعیم او جحیم بل سیصبح ذرۃ تدور مع دوران الارض)۔

(نفس مرجع صفحہ ۶۲)